ماہنامہ
ہمدرد نونہال
نومبر ۲۰۱۳ء
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM
SCANNED BY PAKSOCIETY.COM

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

نونہالوں کے دوست اور ہمدرد
شہید حکیم محمد سعید کی یاد رہنے والی باتیں

سچا آدمی سچی بات ہی کرتا ہے۔ سچ بولنے میں بعض وقت بڑی بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہاں تک کہ بہت سے فائدوں سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ بہت سے مالی نقصان بھی اُٹھانے پڑتے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بعض وقت خود زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے، لیکن سچ بولنے والا اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر، بلکہ قربان کر کے بھی سچ بات کہتا ہے۔ ایسے لوگ بہت عظیم ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی قربانیوں کی وجہ سے دنیا میں حق وصداقت باقی ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حق کی خاطر اتنی بڑی قربانی دی کہ تاریخ میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ آپؓ نے غلط اور بے اصولی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ آپؓ چاہتے تو آسان راستہ اختیار کر سکتے تھے۔ جو لوگ غلط راستے پر جا رہے تھے، ان سے صلح کر لیتے، ان کو اپنی سی کرنے دیتے اور خود عیش و آرام سے رہتے، لیکن آپؓ نواسۂ رسولؐ تھے۔ آپ اسلام کے سچے اصولوں کے خلاف کوئی بات برداشت کرنا نہیں چاہتے تھے۔ آپؓ حکومت کا صحیح اسلامی معیار دنیا کو بتانا چاہتے تھے۔ اسلام میں لوگوں کا حاکم وہی شخص بن سکتا ہے جو ان میں سب سے زیادہ اہل، قابل اور نیک ہو۔ حاکم یا خلیفہ کا بیٹا اگر اہل نہ ہو تو وہ صرف اس وجہ سے کہ خلیفہ کا بیٹا ہے، خلیفہ یا حاکم بننے کا اہل نہیں ہے۔ اسی نکتے کو حضرت حسینؓ نے اپنے عمل سے، اپنی جدوجہد سے، اپنے جہاد سے اور اپنی زندگی کو قربان کر کے ثابت کیا اور جب تک دنیا قائم ہے، یہ اصول بھی قائم رہے گا کہ اسلام صرف اہل اور نیک لوگوں کو عزت اور حکومت دینا چاہتا ہے۔ ☆

(ہمدرد نونہال جنوری ۱۹۹۲ء سے لیا گیا)

اس مہینے کا خیال

اپنا دکھ کم کرنا چاہتے ہو تو

دوسروں کا دکھ بانٹو

نونہال دوستو! ہمدرد نونہال نومبر ۲۰۱۴ء پیش ہے۔ یہ سال کے آخری سے پہلے مہینے کا شمارہ ہے۔ دسمبر ۲۰۱۴ء کے بعد آپ کے پیارے رسالے کی عمر پوری ۶۲ سال ہو جائے گی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اتنی لگن اور جذبہ دیا کہ میں ان ۶۲ برسوں میں نہ تھکا اور نہ مایوس ہوا، اور کیوں ہوتا، شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید جیسے قدر داں اور حوصلہ بڑھانے والے رہنما جو موجود تھے۔ انھوں نے قوم کے مستقبل، نونہالوں کی تعلیم و تربیت کے لیے یہ ماہنامہ جاری کیا تھا اور اس کی بہتری اور ترقی کی کوشش سے خوش ہوتے تھے۔ مجھے اس وقت دو بزرگ یاد آ رہے ہیں۔ ممتاز اور محترم سائنس داں ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی جب ملتے، ہمدرد نونہال کے لیے پسندیدگی کا اظہار فرماتے۔ دوسرے بزرگ محترم ڈاکٹر محمود حسین خاں ماہرِ تعلیم اور بہت پیارے انسان اور بچوں کے ادب کے کاموں سے خوش ہونے والے تھے۔ ایک بار ایک محفل میں ہم قریب قریب بیٹھے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے ایک سوال کیا: ''برکاتی صاحب! آپ بچوں کے لیے لکھتے ہوئے اور رسالہ مرتب کرتے ہوئے کبھی بددل تو نہیں ہوتے؟''

میں نے چند لمحے سوچا اور عرض کیا: ''ڈاکٹر صاحب! سچی بات ہے، کبھی کبھی ہو جاتا ہوں۔''

ڈاکٹر محمود حسین خاں صاحب نے فرمایا: ''نہیں، ہرگز بددل نہ ہونا، یہ بہت بڑا کام ہے، تاریخ آپ کو یاد رکھے گی۔ میں نے بھی کوشش کی تھی، مگر...... کامیاب نہ ہوا۔''

ڈاکٹر صاحب نے بھی اپنے ادارے جامعہ تعلیمِ ملّی سے ایک رسالہ 'ستارہ' جاری کیا تھا، مگر افرادِ کار کی قلت رکاوٹ بنی۔

اکتوبر کے آخر میں ہمارا نیا ہجری سال بھی شروع ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سال پریشانیوں سے محفوظ رکھے اور ہمارے بڑوں کو اتنا شعور دے کہ وہ پاکستان کو اختلاف اور انتشار سے بچائیں۔ (آمین)

نونہال دوستو! علم کا پیالہ منہ سے لگائے رکھو اور اخلاق و محبت سے پاکستان کو جگمگا دو! ☆

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں

روشن خیالات

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جو شخص ذاتی خوشی اور فخر کے لیے علم حاصل کرتا ہے، وہ جاہل ہی رہتا ہے۔

مرسلہ : عائشہ فرازیہ اقبال، عزیز آباد

حضرت علی کرم اللہ وجہ

استاد سبق دے کر امتحان لیتا ہے اور زندگی امتحان لے کر سبق سکھاتی ہے۔

مرسلہ : عبیداللہ پیرزادہ ہالانی، محراب پور

حضرت امام شافعیؒ

تنہائی میں نصیحت کرنے سے اصلاح، جب کہ سرِ عام نصیحت کرنے سے رسوائی ہوتی ہے۔

مرسلہ : عبدالجبار رومی انصاری، لاہور

ابنِ جوزی

کام یابی علم اور عمل دونوں کو جمع کرنے سے ملتی ہے۔ مرسلہ : سید باذل علی ہاشمی، کورنگی

شیخ سعدیؒ

علم حاصل کرنے کے لیے خود کو شمع کی طرح پگھلا دو۔

مرسلہ : عرشیہ نوید، کراچی

مولانا جلال الدین رومیؒ

عمدہ کلام وہ ہے جو الفاظ کے اعتبار سے کم ہو، لیکن معنی کے لحاظ سے زیادہ ہو۔

مرسلہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری

ٹیپو سلطان

جس قوم میں غدار لوگ پیدا ہوں، وہاں کے مضبوط قلعے بھی ریت کی طرح ہوتے ہیں۔

مرسلہ : حنا نورالدین، کراچی

شہید حکیم محمد سعید

ہمیں کل کی کچھ خبر نہیں، ہمارا کام آج کو بہتر بنانا ہے۔ مرسلہ: زینت یاسمین، پنڈ دادن خان

چارلس ڈارون

سب سے بڑا احمق وہ ہے، جو وقت ضائع کرتا ہے۔

مرسلہ : سیدہ اریبہ بتول، کراچی

زرتشت

ہمت اور محنت سے کام لے کر انسان محتاجی سے بچ سکتا ہے۔ مرسلہ: بہگر بہار، مکران

دل کی آواز

محمد مشتاق حسین قادری

شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات
تُو پڑھتا رہے سرورِ عالم کی سدا نعت
جو چاہے گا اللہ ، وہی ہوگا مرے دوست!
اللہ کرنے مٹ جائیں زمانے سے فسادات
میں دور رہوں مال کی چاہت سے ہمیشہ
کانٹوں میں نہ اُلجھے مرے مولا ، یہ مری ذات
ایمان ہے میرا تری رحمت پہ الٰہی!
کچھ میرا بگاڑیں گی نہ دنیا کی خُرافات
محشر میں خدا رکھنا تُو مشتاق کی عزت
مشتاق یہ کرتا ہے دعا تجھ سے ہی دن رات

مجاہدِ آزادی

مسعود احمد برکاتی

۱۰- دسمبر ۱۸۷۸ء آج سے ۱۳۶ سال پہلے وہ عظیم ہستی پیدا ہوئی جس نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو جگایا، غفلت کی نیند سے جھنجوڑا، ان کو احساس دلایا کہ وہ غلام ہیں۔ ایک غیر قوم نے ان کی آزادی چھین رکھی ہے۔ ان کے وطن پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ صورت ان کے لیے نقصان دہ ہے۔ ان کی ذلت اور تباہی کا باعث ہے، لہٰذا جاگو، اٹھو اور اپنا حق حاصل کرو، اپنی چھنی ہوئی آزادی واپس لو، اپنی حکومت اپنے ہاتھ میں لو۔ غیروں کی غلامی کا طوق اپنی گردن سے نکال پھینکو اور ان کو اپنے وطن سے بھگا دو۔ وہ اگر یہاں رہنا چاہتے ہیں تو خوشی سے رہیں، لیکن حاکم بن کر نہیں محکوم بن کر رہیں۔ حکومت کرنا ہمارا حق ہے، کیوں کہ ملک ہمارا ہے۔ دوسروں کو ہم پر حکومت کرنے، ہمیں غلام بنانے کا کوئی حق نہیں، بلکہ یہ ظلم ہے۔ زندہ اور خوددار قومیں ظلم برداشت نہیں کرتیں۔ وہ نہ خود کسی پر ظلم کرتی ہیں اور نہ اپنے آپ پر ظلم ہونے دیتی ہیں۔ دوسروں کی غلامی سے صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اخلاق تباہ ہو جاتا ہے۔

یہ شعور ہم میں جن ہستیوں نے پیدا کیا، ان میں ایک بہت بڑا نام مولانا محمد علی جوہر کا ہے۔

محمد علی جوہر رام پور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام عبدالعلی خاں تھا۔ ان کے دادا کا نام علی بخش تھا۔ محمد علی کے چار بھائی اور ایک بہن تھیں۔ محمد علی سب سے چھوٹے تھے۔ محمد علی سے بڑے شوکت علی تھے۔ یہی دو بھائی محمد علی اور شوکت علی بہت مشہور ہوئے اور "علی برادران" کہلائے۔ محمد علی یوں تو بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے، لیکن حقیقت میں سب سے بڑے، اپنے بھائیوں ہی میں نہیں ملک بھر میں بہت بڑے تھے۔

دنیا کے اکثر لوگوں کو جنھوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں، بچپن میں مشکلات برداشت کرنی پڑیں۔ بہت سے بڑے لوگ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے۔ بہت سے لوگوں نے غربت اور مفلسی میں آنکھ کھولی۔ محمد علی جوہر کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ وہ پونے دو سال کے تھے کہ یتیم ہو گئے۔ والد نے ۳۵، ۳۰ ہزار کا قرضہ چھوڑا تھا۔ جو اس زمانے میں بہت بڑی رقم تھی۔ والدہ ''بی اماں'' کم عمر ہی تھیں۔ وہ ۲۷، ۲۸ سال کی عمر میں بیوہ ہو گئی تھیں، لیکن بڑی عظیم خاتون تھیں۔ محمد علی نے خود لکھا ہے کہ مجھے والد مرحوم بالکل یاد نہیں، مگر والدہ مرحومہ کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ میں جو کچھ ہوں اور جو کچھ میرے پاس ہے، وہ خداوند کریم نے مجھے اسی مرحومہ کے ذریعے سے پہنچایا ہے۔ والد مرحوم کی وفات کے دن سے والدہ نے گھر کی بوڑھی ماماؤں کا سادہ اور ستا لباس پہنا اور ان ہی کی طرح روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کیا، مگر ہمارا کوئی سوال رَد نہیں کیا۔ محمد علی کی وجہ سے ان کی والدہ کو سب بی اماں کہتے تھے۔ واقعی بی اماں جیسے ایثار اور عقل مندی کی مثالیں کم ہی ملتی ہیں۔ خود کم پڑھی لکھی تھیں، لیکن اپنے بچوں کو زمانے کے مطابق اعلا تعلیم دلائی۔ پہلے اردو، فارسی گھر پر پڑھوائی، پھر بریلی اسکول میں داخل کرا دیا۔ بریلی سے پڑھ کر محمد علی، علی گڑھ چلے گئے۔ علی گڑھ سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ الہ آباد یونی ورسٹی میں اول آئے۔ ۱۸۹۸ء میں محمد علی جب ساڑھے انیس سال کے تھے تو بڑے بھائی شوکت علی نے اپنا پیٹ کاٹ کر انگلستان بھیجا، تا کہ سول سروس کے امتحان میں شریک ہوں اور آئی سی ایس بن کر اچھی سی ملازمت کریں۔ اپنی ذہانت کا لوہا منوائیں، خوب کمائیں، خوب عیش کریں۔

محمد علی ذہین تھے، بہت ذہین۔ سال کا بڑا حصہ کھیل کود میں اور تفریح میں گزرتا۔ کورس کی تمام کتابیں کبھی مشکل سے ان کے پاس جمع ہوتی ہوں گی، لیکن حافظہ اور ذہن

غضب کا تھا۔ امتحان سے دو مہینے پہلے کتابیں اِدھر اُدھر سے جمع کر کے وہ پڑھائی پر پل پڑتے اور ہمیشہ اچھے نمبروں سے کام یاب ہوتے۔ ان کے ایک بچپن کے ساتھی میر محفوظ علی صاحب نے لکھا ہے کہ محمد علی قابلِ رشک ذہانت کے ساتھ کلاس میں لیکچر سنتے، فیلڈ میں کرکٹ کھیلتے اور یونین میں تقریر کرتے۔

چند باتیں ان کی عادتوں، معمولات اور مزاج کے متعلق بھی سن لیجیے: مولانا محمد علی پابندی اور نظم وضبط کے عادی نہیں تھے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ان کی ہر چیز میں بدنظمی تھی۔ کھانا نکل کر آ گیا، دستر خوان پر لگ گیا، پڑا ٹھنڈا ہو رہا ہے اور مولانا ہیں کہ کسی ملاقاتی سے گرما گرم مباحثے میں مشغول ہیں، اُٹھنے کا نام نہیں لیتے۔ ساتھیوں کی آنتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں۔ بلاضرورتِ شدید، آدھی آدھی رات تک جاگ رہے ہیں۔ کام کرنے پر جُت گئے تو اب کھانا اور سونا سب غائب۔ روزمرہ یہی معمول رہتا اور اصل مصروفیت کے ساتھ یہ بدنظمی بھی ہر کام میں شامل رہتی۔

ان کے خاص ساتھی میر محفوظ علی صاحب لکھتے ہیں کہ محمد علی مرحوم بھی جذبات کا مجموعہ تھے اور اسے خامی کہو یا پختگی کہ اکثر اوقات وہ اپنے جذبات کو ضبط نہیں کر سکتے تھے۔ محفوظ علی صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں کہ محمد علی سُست نہ تھے، مگر بعض اوقات سوچ بچار میں وقت لگا دیتے تھے۔ وہ خود تو اپنے آپ کو کام چور کہتے تھے، لیکن کام چور نہ تھے، ہاں کل پر ٹال ضرور دیتے تھے۔ منٹوں کا کام دنوں میں، بلکہ ہفتوں نہیں کرتے تھے، مگر جب کرنے پر آ جاتے تو ہفتوں کا کام منٹوں میں نہیں تو گھنٹوں میں تو ضرور کر ڈالتے۔

مولانا محمد علی جوہر انتہا درجے کے مہمان نواز اور بے غرض انسان تھے۔ مہمانوں کی خاطر

تواضع ان کی زندگی تھی۔ اچھے کھانے کے بڑے شوقین تھے۔ خود کھانے سے زیادہ دوسروں کو کھلا کر خوش ہوتے تھے۔ گھی پڑی ہوئی ماش کی دھلی ہوئی دال اور ماش کی کھچڑی خوب گھی کے ساتھ جاڑے میں ان کو بہت پسند تھی۔ بچوں سے بہت خوش ہوتے تھے۔ ان کے ساتھ کھیلنے کے بہت شوقین تھے۔ ایک بار مشہور لیڈر نواب اسماعیل خاں ان کے ہاں آئے ہوئے تھے۔ مولانا کے کمرے میں نواب صاحب کی بچی آ گئی۔ مولانا اس بچی کے ساتھ خود بھی بچے بن گئے۔ کمرے بھر میں کبھی محمد علی دوڑتے تو وہ بچی ان کا پیچھا کرتی۔ وہ بچی دوڑتی تو مولانا اس کا تعاقب کرتے تھے۔ بڑی دیر تک مولانا اس کے ساتھ کھیلتے رہے۔

خط کم لکھتے۔ لکھنے کی فرصت کہاں ملتی تھی۔ ہفتوں تک جواب لکھنے کے لیے خط ان کی جیب میں یا میز کی دراز میں پڑا رہتا تھا۔ کبھی یہ ہوتا کہ جب بہت دن ہو جاتے تو تار کے ذریعے جواب بھیج دیتے، مگر جب خط لکھنے بیٹھتے تو لکھتے ہی چلے جاتے۔

مخالفوں کو جواب دینے میں کسر نہ اُٹھا رکھتے۔ مخالفین ہی کے لب و لہجے میں جواب دیتے تھے۔ سخت اور تلخ، لیکن صداقت و دیانت اور شرافت کا دامن کبھی نہ چھوڑتے۔ نہ کبھی بہتان کے جواب میں کسی پر بہتان لگاتے۔

نہایت فیاض تھے۔ خرچ کرنے میں ان کا ہاتھ کبھی نہ رُکتا تھا۔ خوش مزاج اور ظریف بھی بہت تھے۔ سنجیدہ ہونے کے باوجود مزاج میں شوخی بھی تھی۔ بات سے بات پیدا کرنا اور مذاق پیدا کرنا ان کی عادت تھی۔

شاعری بھی کرتے تھے۔ ان پر جو گزرتی، وہ شعر کی صورت میں اکثر زبان پر آ جاتی۔ مولانا کی شاعری ان کی زندگی، ان کے جذبات و احساسات کا سچا آئینہ ہے۔ ☆

عظیم قربانی

بنتِ درویش

نونہال ساتھیو! محرم الحرام کا مہینا ہر نئے اسلامی سال کے آغاز کے ساتھ ساتھ ہمیں واقعۂ کربلا کی بھی یاد دلاتا ہے۔ سنہ ۶۱ ھ میں پیش آنے والا وہ عظیم سانحہ، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے نواسے حضرت امام حسینؓ، ان کے خاندان کے لوگوں اور ان کے ساتھیوں کو تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کر دیا گیا۔ ان کے خاندان والوں کو قید کر کے ایسی ناقابلِ برداشت تکلیفیں پہنچائی گئیں کہ آج بھی اس کے ذکر سے ہر آنکھ میں آنسو بھر آتے ہیں۔

یزید، جو اس وقت حکمراں تھا، اس کا ناپسندیدہ اور غلط کردار پوری اُمتِ اسلامیہ پر بُرا اثر ڈال رہا تھا۔ وہ اسلامی احکام کے برعکس اپنی مرضی کی شریعت اور اپنا حکم لوگوں سے منوانا چاہتا تھا۔ اس نے جب امام حسینؓ کو اپنی اطاعت پر مجبور کیا تو انھوں نے یزید کو سمجھانے کی کوشش کی: ''تم جو کچھ کر رہے ہو وہ ٹھیک نہیں ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو جن باتوں سے منع کرتا ہے تم نے نہ صرف خود اختیار کر رکھی ہیں، بلکہ ان کو معاشرے میں پھیلانے کی کوشش کر رہے ہو، جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کی سراسر خلاف ورزی ہے۔''

لیکن حاکمیت کے نشے میں چُور یزید پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا اور امام حسینؓ کے ساتھ ان کے عزیزوں اور ساتھیوں کو اپنی اطاعت قبول کرنے کے لیے مجبور کرتا رہا، مگر وہ اس کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوئے۔ یزید میں کوئی ایسی قابلیت نہیں تھی

جو اسے ملتِ اسلامیہ کی حکمرانی کا اہل ثابت کرے۔ اس بنیاد پر امام حسینؓ نے محسوس کیا کہ یزید کی حکمرانی کے خلاف آواز بلند کی جانی چاہیے۔ امام حسینؓ مسلمانوں کو صحیح اسلامی طرزِ عمل اپنانے پر آمادہ کرنا چاہتے تھے۔

یزید نے یہ محسوس کیا کہ دوسرے لوگ اس کے خوف سے ظاہر میں تو اس کی مخالفت نہیں کرتے، لیکن دل میں اس سے بدظن ہوتے جا رہے ہیں اور امام حسینؓ کو اس کے مقابلے میں زیادہ مانتے ہیں۔ اس نے امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو زبردستی اپنی اطاعت پر مجبور کرنے کا منصوبہ بنایا اور یہ طے کیا کہ اگر نواسۂ رسولؐ اس کی بات نہیں مانیں تو انھیں قتل کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایک بڑا لشکر تیار کیا اور اسے امام حسینؓ کے پیچھے روانہ کیا، جہاں امام حسینؓ اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ حج کی سعادت حاصل کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے، لیکن یزید کے منصوبے کا علم ہونے کے بعد امام حسینؓ نے اپنے حج کو عمرہ میں بدل دیا کہ کہیں اللہ کے گھر میں خون خرابہ نہ ہو جائے اور اس کی حرمت پر حرف آئے۔ وہاں سے امام حسینؓ نے ۸ ذی الحج کو کربلا کا سفر اختیار کیا، راستے میں یزیدی فوج کے ایک سپہ سالار حُر بن ریاحی نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی اور انھیں یزید کی بیعت پر آمادہ کرنا چاہا، مگر امام حسینؓ نے عزم و استقامت کا پرچم تھامے رکھا اور واضح کر دیا کہ وہ جابر حکمران کے سامنے سر جھکانے کے بجائے سر کٹانے کو ترجیح دیں گے۔

امام حسینؓ اپنے قافلے کے ساتھ کربلا کے مقام پر پہنچے اور نہرِ فرات کے کنارے اپنے ساتھیوں کو خیمے لگانے کا حکم دیا، جہاں چند روز میں یزیدی فوج کے کئی دستے

پہنچ گئے۔ عمر ابن سعد کی سربراہی میں یزیدی لشکر نے امام حسینؓ اور ان کے قافلے کو گھیر کر جنگ پر مجبور کیا۔ معصوم بچوں اور عورتوں پر تین دن تک پانی بند رکھا۔ دس محرم الحرام کو روزِ عاشورا کہا جاتا ہے۔ امام حسینؓ اور ان کے ۷۲ ساتھیوں کو بھوکا پیاسا شہید کر دیا گیا اور ان کو شہید کرنے کے بعد بچوں عورتوں اور ضعیفوں کو اس طرح اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

امام حسینؓ نے اپنے ہر ہر عمل سے بتا دیا کہ اسلام سچائی اور حق کے ماننے والوں کا مذہب ہے۔ اسلام انسانیت کے احترام کا درس دیتا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے رسول کی حیثیت سے دینِ اسلام کو پھیلایا تھا، اس لیے امام حسین نے اپنے خاندان اور ساتھیوں کے ساتھ اس دین کو بچانے کے لیے جان بھی قربان کر دی۔ ☆

بعض نونہال پوچھتے ہیں کہ رسالہ ہمدرد نونہال ڈاک سے منگوانے کا کیا طریقہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سالانہ قیمت ۳۸۰ رپے (رجسٹری سے ۵۰۰ رپے) منی آرڈر یا چیک سے بھیج کر اپنا نام پتا لکھ دیں اور یہ بھی لکھ دیں کہ کس مہینے سے رسالہ جاری کرانا چاہتے ہیں، لیکن چوں کہ رسالہ کبھی کبھی ڈاک سے کھو بھی جاتا ہے، اس لیے رسالہ حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اخبار والے سے کہہ دیں کہ وہ ہر مہینے ہمدرد نونہال آپ کے گھر پہنچا دیا کرے ورنہ اسٹالوں اور دکانوں پر بھی ہمدرد نونہال ملتا ہے۔ وہاں سے ہر مہینے خرید لیا جائے۔ اس طرح پیسے بھی اکٹھے خرچ نہیں ہوں گے اور رسالہ بھی جلد مل جائے گا۔

ہمدرد فاؤنڈیشن، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی

وقت

ضیاء الحسن ضیا

وقت بے کار مت گنواؤ تم
وقت سے فائدہ اُٹھاؤ تم

وقت کی اہمیت کو تم سمجھو
وقت گزرا نہ آئے گا بچو!

وقت کے ساتھ ساتھ چلتے رہو
وقت پر اپنے سارے کام کرو

وقت سے جس نے منھ موڑ لیا
وقت نے اس کو پیچھے چھوڑ دیا

وقت سے جس نے دوستی کرلی
اس کی تقدیر جگمگا اُٹھی

وقت کی قدر جو بھی کرتا ہے
بن کے سورج وہی اُبھرتا ہے

اے ضیا کتنا خوب صورت ہے
وقت اچھا خدا کی نعمت ہے

ہیروں کا راز

وقار محسن

کراچی کے ایک ساحل ''ہاکس بے'' پر اگر آپ گئے ہوں تو آپ نے وہاں ایک نیم پاگل سے شخص کو ساحل کے ارد گرد گھومتے دیکھا ہوگا۔ جس کے کھچڑی بال سوکھے تنکوں کی طرح بکھرے ہوتے ہیں۔ یہ شخص ساحل پر پڑے کپڑے کے چیتھڑوں کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتا رہتا ہے۔ اس شخص کا نام ادریس احمد ہے اور یہ پڑھا لکھا آدمی ہے۔

تقریباً دس سال پہلے ادریس نوکری کی تلاش میں تھا۔ ایک دن اس نے کسی چودھری کرم دین کی طرف سے اخبار میں اشتہار دیکھا۔ انھیں کسی ایسے شخص کی ضرورت تھی جو سکریٹری، باڈی گارڈ اور ڈرائیور کا کام کر سکے۔ تنخواہ پچیس ہزار روپے تھی، اس لیے ادریس احمد نے قسمت آزمانی چاہی۔

ادریس اگلے دن جب کرم دین سے کراچی کے مشہور جوڑیا بازار میں ان کی دوکان پر ملا تو چودھری صاحب اور ان کے آفس کا حال دیکھ کر اسے تعجب ہوا کہ اس شخص کو سکریٹری اور باڈی گارڈ کی کیا ضرورت پڑ گئی۔ ادریس کو وہ نوکری مل گئی اور اگلے دن سے اس نے ڈیوٹی پر آنا شروع کر دیا۔

چودھری صاحب نے شادی نہیں کی تھی اور گلشن اقبال کے علاقے میں اپنے نوکر ضمیر کے ساتھ اکیلے رہتے تھے۔ ادریس صبح نو بجے آجاتا اور شام کو آٹھ بجے کھانا کھا کر گھر چلا جاتا۔ کچھ ہی دنوں میں ادریس کو اندازہ ہو گیا کہ بظاہر تو کریانہ اسٹور ہے، لیکن چودھری صاحب کا اصل کام کچھ اور ہے۔ ان کے کمرے میں ایک شیلف میں بے شمار فائلیں تھیں اور

کونے میں ایک تجوری دیوار میں نصب تھی۔ ادریس نے ایک دن دیکھ لیا تھا کہ چودھری صاحب تجوری کی چابیاں قالین کے نیچے رکھ دیتے تھے۔ چودھری صاحب کی عمر پچاس سال کے لگ بھگ تھی۔ بھاری جسم، چھوٹی چھوٹی چمکیلی آنکھیں۔ وہ اکثر کرتا شلوار پہنتے، جس پر ہر موسم میں سُرمئی رنگ کی واسکٹ ضرور ہوتی تھی، واسکٹ کے بٹن بھی اسی کپڑے سے بنے ہوئے تھے۔

ایک دن ڈاکیا ایک خط لایا اور تاکید کی کہ یہ خط ابھی چودھری صاحب تک پہنچا دیا جائے۔ ادریس جب چودھری صاحب کے کمرے کے قریب گیا تو وہ کسی سے فون پر بات کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے: ''کرمانی صاحب! آپ فکر نہیں کریں۔ ہیرے میرے پاس بالکل محفوظ ہیں گھر ہی پر۔ معاملہ ذرا ٹھنڈا ہونے دیں پھر کسی دن بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' اس دن سے ادریس کو یہی دُھن سوار تھی کہ کسی طرح ان ہیروں کا پتا لگایا جائے۔

کچھ دن بعد چودھری صاحب کو دل کا دورہ پڑا اور ان کو اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ دو دن تک وہ تقریباً بے ہوش رہے۔ تیسرے دن ہوش میں آتے ہی انھوں نے سرہانے کھڑے ادریس سے گھبرا کر پوچھا کہ ان کی واسکٹ کہاں ہے۔ ادریس نے کرسی کی پشت پر ٹنگی واسکٹ ان کے حوالے کر دی۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے چودھری صاحب کو نیند کا انجکشن لگا دیا اور ادریس سے کہا کہ پانچ گھنٹے تک کوئی ان کو نہ جگائے۔

ادریس کچھ دیر ان کے نزدیک بیٹھا اخبار پڑھتا رہا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ آخر چودھری صاحب اس معمولی سی واسکٹ کے لیے اتنے بے چین کیوں تھے۔ ایک خیال اس کے ذہن میں بجلی کی طرح کوندا۔ کہیں ہیرے اسی کوٹ میں تو نہیں چھپائے گئے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے خاموشی سے واسکٹ چودھری صاحب کے تکیے کے نیچے سے اُٹھائی اور تیزی سے موٹر سائیکل کی طرف بھاگا۔ دوسرے لمحے اس کی موٹر سائیکل ہاکس بے کے ساحل کی طرف دوڑ رہی تھی۔

ساحل پر پہنچ کر وہ ایک سنسان گوشے میں گیا اور بے چینی سے واسکٹ کی تلاشی لینے لگا۔ اس نے واسکٹ کا اُستر پھاڑ کر اس کی تہ تک چھان ڈالی۔ واسکٹ کے چیتھڑے کر دیے، لیکن وہاں کچھ نہ ملا۔ وہ غصے سے پاگل ہو گیا۔ اس نے اپنے بال نوچتے ہوئے واسکٹ کے چیتھڑے وہیں ہوا میں اُڑا دیے۔

جب ادریس اسپتال پہنچا تو چودھری صاحب ہوش میں آ چکے تھے، لیکن ان کی طبیعت بہتر نہیں تھی۔ رات کو ان کی حالت جب زیادہ خراب ہو گئی تو انھوں نے اشارہ سے ادریس کو اپنے قریب بلایا اور کہنے لگے: ''ادریس! تم نے میری بہت خدمت کی ہے، اس لیے تمھیں ایک راز کی

بات بتا رہا ہوں۔ میرے پاس کچھ ہیرے تھے، جو میں نے اپنی واسکٹ کے بٹنوں میں چھپائے ہیں۔ دراصل میں نے ان ہیروں پر کپڑا چڑھوا کر انھیں بٹنوں کے طور پر لگوایا ہے۔ یہ ہیرے تمھارے حوالے ہیں۔ بس اتنا کرنا کہ ان ہیروں کی آدھی قیمت کسی فلاحی ادارے کو دے دینا شاید میری روح کو تسکین ہو۔''

اتنا کہا تھا کہ چودھری صاحب اللہ میاں کے پاس چلے گئے۔

ادریس اسی طرح بُت بنا کھڑا تھا، جیسے اس کے جسم کے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ لیا گیا ہو۔ ویسٹ کوٹ کی تلاشی لیتے وقت بٹنوں کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔

اس دن سے ادریس اکثر ساحل سمندر پر جمع چیتھڑوں کو ٹٹولتا رہتا ہے اور پھر سمندر کی لہروں اور تیز ہواؤں کو دیکھتا ہے، جو اس کی بے بسی پر قہقہہ لگاتی محسوس ہوتی ہیں۔ ☆

لڑکا ہمت والا

عبدالرؤف تاجو

ایک دیہاتی مزدور کا اکلوتا بیٹا جوان ہو گیا تو اس نے بیٹے کو اپنے پاس بُلا کر کہا:
''سنو میاں سکندر! اب تم ماشاءاللہ جوان ہو گئے ہو، اس لیے اس چھوٹے سے گاؤں سے نکلو اور شہر جا کر اپنی قسمت آزماؤ۔ میں دعا مانگتا رہوں گا کہ اللہ تمھیں کام یاب کرے۔ اس گاؤں میں محنت مزدوری کا کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ مل گیا تو گھر کا چولہا جل گیا۔ میں نے بھلی یا بُری اپنی زندگی گزار لی، اب تم اپنے بارے میں سوچو۔ آج اکیلے ہو، کل شادی ہو گی، پھر بال بچے ہوں گے۔ ان سب کے لیے دو وقت کی تو بڑی بات، ایک

وقت کی روٹی بھی مہیا نہ کر سکو گے۔ میرا مشورہ ہے کہ اس گاؤں سے نکل کھڑے ہو، جہاں کھیتوں میں اناج کم اور بھوک زیادہ ہے۔''

لڑکے کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں: ''شکریہ بابا! میں بھی یہی سوچ رہا تھا، لیکن آپ سے کہتے ہوئے ڈرتا تھا کہ کہیں ناراض نہ ہو جائیں۔ میں ان شاء اللہ کل ہی نکل پڑوں گا، لیکن بابا! شہر ہے کس طرف اور مجھے کس راستے سے جانا ہے۔ میں آج تک گاؤں سے باہر نہیں نکلا۔''

لڑکے کی ماں بھی قریب ہی بیٹھی تھی۔ چیخ کر بولی: ''یہ تم اپنے بیٹے کو کہاں دھکا دے رہے ہو۔ غضب خدا کا، اکلوتے بچے کو تنہا شہر بھیج رہے ہو۔ یہ ہرگز کہیں نہیں جائے گا۔ یہیں رہے گا، اسی گاؤں میں ہمارے ساتھ۔''

''بس خاموش رہو۔ یہ چھوٹا سا بچہ نہیں پورے پندرہ سال کا ہو چکا ہے اور اپنی حفاظت خود کر سکتا ہے۔'' اس نے اپنی بیوی کو جھڑک دیا۔

بزرگوں اور داناؤں نے سفر کو وسیلۂ ظفر کہا ہے، سو یہ بات بالکل سچ ثابت ہوئی۔ تین دن کے کٹھن اور تھکا دینے والے سفر کے بعد سکندر پہاڑ کے پیچھے آباد اس بڑے شہر میں پہنچ گیا، جہاں ایک بہت امیر آدمی نے اسے اپنی ملازمت میں رکھ لیا۔ دو ہزار روپے ماہانہ تنخواہ اور کھانا پینا، کپڑا سب کچھ مفت۔ سکندر کی تو جیسے لاٹری نکل آئی۔ انھی سب چیزوں کے لیے تو وہ گھر سے نکلا تھا۔ اس نے بڑی باقاعدگی سے گھر ہر ماہ دو ہزار روپے بھیجنا شروع کر دیے اور یوں اس کے والدین کو بھی بہت سہولت ہو گئی۔

سکندر اپنی محنت، ایمان داری اور خوش کلامی کی وجہ سے بہت جلد اپنے آقا کے

دل کو بھا گیا اور صرف چھے ماہ کے اندر گھر کے ایک عام نوکر سے ترقی پا کر آقا کا دستِ راست بن گیا۔ اس کا آقا بظاہر ایک شریف اور مہذب آدمی نظر آتا تھا، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔ اندر سے وہ ایک مغرور، کنجوس، بے ایمان اور قدرے ظالم آدمی تھا۔ سکندر کو اپنے آقا کی ان کم زوریوں کا کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور تھا، لیکن وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا لڑکا تھا۔

ایک روز جب کہ پورے شہر میں برفیلی ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے تو آقا نے سکندر سے ایک ایسا سوال پوچھ لیا کہ وہ چکرا کر رہ گیا۔ آقا نے سوال کیا: ''کیا اس سردی میں کوئی شخص ننگے بدن پہاڑ کی چوٹی پر ساری رات گزار سکتا ہے؟''

سکندر نے نہیں میں سر ہلا کر جواب دیا: ''نہیں سرکار! پورے شہر میں ایک بھی ایسا آدمی نہیں ملے گا جو یہ ہمت کر سکے، یہ تو خودکشی کرنے والی بات ہوگی۔''

''ہاں، تم نے صحیح کہا، لیکن اگر اس کے لیے ایک بڑے انعام کا اعلان کیا جائے مثلاً دس صحت مند گائیں، دس ایکڑ زمین اور دس ہزار روپے نقد، تو اس صورت میں کوئی تیار ہو جائے گا؟''

سکندر کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اتنا بڑا انعام پا کر تو وہ خود بھی ایک چھوٹا موٹا زمیندار بن سکتا تھا، لیکن شرط اتنی کڑی تھی کہ اس کا ولولہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا: ''سرکار! اگر اس مقابلے میں حصہ لینے والا آدمی سردی کی شدت سے اکڑ کر مر جائے تو کیا یہ انعام آپ اس کے خاندان کو دے دیں گے؟''

آقا نے نہیں میں سر ہلایا: ''انعام حاصل کرنے کے لیے اس آدمی کا صبح تک زندہ رہنا ضروری ہے۔ یہ انعام کسی اور کو نہیں دیا جا سکتا۔''

سکندر کو اس جواب سے خاصی مایوسی ہوئی۔

گاؤں سے روانہ ہوتے وقت سکندر کے باپ نے کہا تھا: ''اگر تمھیں شہر میں کبھی کوئی پریشانی لاحق ہو یا اُلجھن درپیش ہو یا تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ تو فوراً ''بزرگ اللہ والے'' کی خدمت میں حاضر ہو جانا اور وہ جو بھی مشورہ دیں، اس پر عمل کرنا۔''

سکندر کو باپ کی یہ بات یاد تھی، سو وہ دوسرے دن ناشتا کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور مدد کا طالب ہوا: ''معزز بزرگ! میں اپنے والدین کے لیے یہ انعام حاصل کرنا چاہتا ہوں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی نہیں چاہتا کہ سردی سے اکڑ کر میری موت واقع

ہو جائے، کیوں کہ اس طرح میری موت سے میرے والدین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔''

''تمھیں کچھ نہیں ہوگا میرے بچے!'' بزرگ اللہ والے نے شفقت سے کہا: ''تم واپس جا کر اپنے آقا سے کہہ دو کہ تم اس کا چیلنج قبول کرنے کو تیار ہو اور سنو، جب تم ننگے بدن چوٹی پر جا کر بیٹھ جاؤ تو نظر اُٹھا کر سامنے دیکھنا۔ میلوں دور ایک دوسری چوٹی پر تمھیں آگ جلتی دکھائی دے گی۔ بس ایک جملہ دہراتے رہنا کہ یہ آگ میرے قریب جل رہی ہے اور میں اس کی حدت محسوس کر رہا ہوں۔ بس خیال رکھنا کہ سورج نکلنے تک یہ جملہ تمھیں مسلسل کہتے رہنا ہے۔ اگر تم چوٹی پر بیٹھے بیٹھے تھک جاؤ اور کھڑے ہو کر ٹہلنے لگو تب بھی اس جملے کو دہراتے رہنا۔ جاؤ تمھیں اللہ کام یاب کرے گا، کیوں کہ تم نیک نیتی سے اپنے بوڑھے والدین کی مدد کرنا چاہتے ہو۔ ڈرو مت، تمھیں کچھ نہیں ہوگا میرے بچے! اطمینان رکھو۔''

☆......☆......☆

پہاڑ کی چوٹی پر ساری رات گزارنے کے بعد سورج کی پہلی کرن کو دیکھتے ہی سکندر کا حوصلہ جواب دے گیا اور وہ بیٹھے بیٹھے اپنی جگہ لڑھک گیا۔ امیر آدمی کے نوکر دوڑ پڑے اور اسے کمبلوں اور رضائیوں میں لپیٹ کر گھر لے آئے اور آتش دان کے قریب لٹا دیا۔ وہ نو بجے تک بے خبر سوتا رہا اور پھر اُٹھ بیٹھا۔ اس کے آقا نے شرط جیتنے پر اسے مبارک باد دی اور پوچھا: ''اتنا بڑا کام تم نے کیسے کر لیا؟''

سکندر نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ میلوں دور پہاڑ کی دوسری چوٹی پر جلنے والی آگ کا سن کر اس کا آقا ناراض ہو گیا: ''تم نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے، اس

لیے کسی انعام کے مستحق نہیں ہو۔ تمھیں اس آگ کی طرف دیکھنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ آگ آگ ہوتی ہے، چاہے قریب ہو یا دور۔''

سکندر یہ سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ گھر کے دیگر نوکروں کو بھی افسوس ہوا، لیکن انھیں اپنی اپنی نوکری عزیز تھی، اس لیے خاموش رہے۔

☆......☆......☆

سکندر کی بپتا سن کر ''بزرگ اللہ والے'' مسکرائے: ''میں جانتا تھا میرے بہادر بچے! کہ تمھارے ساتھ یہی سلوک ہوگا۔ میں تمھارے آقا کو برسوں سے جانتا ہوں۔ اتنا خود غرض اور بد دماغ آدمی پورے شہر میں بس وہ ایک ہی ہے۔ اطمینان سے گھر جاؤ، انعام تمھیں ضرور ملے گا، یہ میرا وعدہ ہے۔ میرے بچے! دل چھوٹا نہ کرو اور ہاں گھر جاتے ہوئے جج صاحب سے ملتے جانا۔ دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔ ویسے میں جانتا ہوں کہ وہ کیا کہیں گے۔''

سکندر جج صاحب کے گھر پہنچ گیا۔ جج صاحب نے بڑی توجہ سے سکندر کی بات سنی۔ کچھ دیر سوچتے رہے اور پھر بولے: ''تم نے یقیناً معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے، اس لیے میں تمھاری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ اگر تم آگ کو دیکھ کر اپنی پیٹھ گھما لیتے اور اپنی آنکھیں بند کر لیتے تو یقیناً میں تمھیں انعام دلوا دیتا، لیکن اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ افسوس تمھاری ساری محنت ضائع ہوگئی۔''

دوسرے دن شہر کے دس بارہ معزز لوگوں کو بزرگ اللہ والے کی طرف سے ایک دعوت نامہ موصول ہوا: ''جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ گزشتہ دنوں مجھے ساتویں مرتبہ جج کی

سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں کل دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھائیے، میں آپ کا بے حد احسان مند ہوں گا۔''

بارہ بجے تک تمام مہمان پہنچ گئے۔ ان میں جج صاحب بھی تھے اور سکندر کا آقا بھی تھا۔ کچھ دیر باتوں کے بعد دستر خوان بچھنے کا انتظار شروع ہو گیا۔ ایک بجا، دو بجے، تین بجے، یہاں تک کہ چار بج گئے، لیکن دستر خوان کو نہ بچھنا تھا نہ بچھا۔ باورچی خانے سے لذیذ کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوئیں آ آ کر مسلسل مہمانوں کی بھوک بڑھا رہی تھیں۔ آخر جج صاحب سے نہ رہا گیا تو بول اُٹھے: ''کیا بات ہے بزرگوار! اب کس کا انتظار ہے۔ سب لوگ بھوک سے نڈھال ہو چکے ہیں، آخر دستر خوان کس وقت بچھے گا۔''

بزرگ نے بڑی گہری نگاہوں سے جج صاحب کو دیکھا: ''کھانا تو آپ لوگ کب کا کھا چکے۔ اب آپ کس کھانے کی بات کر رہے ہیں۔ اب تک تو آپ لوگوں کو رخصت ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ جانا چاہیے تھا، لیکن پتا نہیں آپ سب اب کس انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''یہ آپ کیسا امتحان لے رہے ہیں بزرگوار! ہم لوگوں نے کھانا کب کھایا؟ کھانے کے انتظار میں تو ہم سب ابھی تک بیٹھے ہوئے ہیں۔'' جج صاحب نے ذرا تیز لہجے میں کہا۔

''کیا آپ لوگوں تک کھانوں کی خوشبوئیں نہیں پہنچیں۔'' بزرگ کے لہجے میں طنز کی گہری کاٹ تھی: ''بس انھی خوشبوؤں سے آپ لوگوں کو اپنا پیٹ بھر لینا چاہیے تھا۔''

''کھانوں کی خوشبوؤں سے کہیں آدمی کا پیٹ بھرتا ہے! یہ آج آپ کیسی باتیں

کر رہے ہیں ۔ اگر کھانا نہیں کھلانا تو پھر میں آپ سے اجازت چاہوں گا۔'' اتنا کہہ کر جج صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے ۔

'' تھوڑی دیر اور رک جایئے جج صاحب!'' بزرگ نے پُر جلال لہجے میں کہا: '' اور میرے اس سوال کا جواب دے دیجیے کہ میلوں دور پہاڑی پر جلنے والی آگ اگر کسی کو حرارت پہنچا سکتی ہے تو پھر کھانوں کی خوشبوؤں سے آدمی کا پیٹ کیوں نہیں بھر سکتا۔''

محفل پر سناٹا چھا گیا اور جج صاحب کا چہرہ شرمندگی سے سرخ ہو گیا۔

بزرگ پھر بولے: '' یہ کیسا انصاف ہے جج صاحب! کہ ایک پندرہ سولہ سال کا معصوم سا لڑکا محض اپنے والدین کے خاطر ایک ایسا چیلنج قبول کر بیٹھا ہے، جس میں اس کی موت بھی ہو سکتی تھی، لیکن اللہ کو اس بچے کی ماں باپ سے محبت اتنی پسند آئی کہ اسے صاف بچا لیا اور نہ صرف بچا لیا، بلکہ ہر طرح کے موسمی اثرات سے محفوظ بھی رکھا۔ اس کے آقا کو یقین تھا کہ بچہ زیادہ سے زیادہ دو تین گھنٹوں کے اندر سردی سے اکڑ کر مر جائے گا، اس لیے انعام دینے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اس کے آقا کو شاید یہ پتا نہیں تھا کہ مارنے والے سے بچانے والا بہت زیادہ طاقت ور ہے۔ جب اس بچے نے انعام طلب کیا تو اسے ٹکا سا جواب دے دیا گیا، کیوں کہ اس نے سچ سچ بتا دیا تھا کہ وہ رات بھر میلوں دور سامنے والی چوٹی پر جلنے والی آگ کو دیکھتا رہا تھا۔ اگر وہ بچہ یہ بات نہ بتاتا، تب بھی مجھے یقین ہے کہ کسی اور بہانے سے اسے انعام سے محروم کر دیا جاتا۔ جج صاحب! میں نے ہی اس بچے کو آپ کے پاس بھیجا تھا کہ شاید آپ اس کے ساتھ انصاف کر سکیں، لیکن آپ نے بھی اس کے آقا کا ساتھ دیا اور بچے کے دعوے کو مسترد کر دیا۔ آپ دونوں کو

یہاں بلانے کا مقصد یہی تھا کہ آپ کو بتا سکوں کہ آپ نے اس بچے کا دعوا مسترد کر کے کتنا بڑا گناہ کیا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ ایسا کرتے وقت آپ کو اس بڑے جج کا خیال کیوں نہیں آیا جو آسمانوں پر بیٹھا آپ کے ہر فیصلے کو کڑی نظروں سے جانچ رہا ہے۔''

''میں بے حد شرمندہ ہوں محترم بزرگ!'' جج صاحب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: ''اور معافی چاہتا ہوں۔ آپ نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میں اللہ سے بھی اپنی بخشش طلب کرتا ہوں۔ بچے کا دعوا مسترد کر کے یقیناً میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے، جس کی تلافی مجھ پر فرض ہوگئی ہے۔''

اتنا کہہ کر جج صاحب نے سکندر کے آقا کو مخاطب کیا: ''دس گائیں اور دس ایکڑ زمین کے کاغذات اور دس ہزار روپے نقد لے کر میری عدالت میں حاضر ہو جائیں۔ یاد رکھیے ٹھیک نو بجے اگر آپ نے پانچ منٹ بھی دیر کی تو میں آپ کی گرفتاری کا حکم نامہ جاری کر دوں گا۔ پھر پورے شہر میں آپ کی جو بے عزتی ہوگی اس کا اندازہ آپ خود لگا لیجیے۔''

اتنا کہہ کر جج صاحب بزرگ سے مخاطب ہوئے: ''میں اس معصوم سے بچے کی ہمت عزم اور والدین سے محبت کو سلام کرتا ہوں اور اپنی طرف سے اسے ایک ہزار روپے انعام دیتا ہوں۔''

سکندر کا آقا شرمندہ ہو کر اپنی کرسی سے اُٹھا اور بزرگ سے اپنی غلطی تسلیم کر کے معافی مانگ لی۔ اس کے بعد بزرگ نے ملازم کو اشارہ کیا۔ فوراً ہی مزے دار کھانوں سے دستر خوان سج گیا۔

☆

مولا بخش

شیخ عبدالحمید عابد

مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے ایک خاص ہاتھی کا نام مولا بخش تھا، جو خاصا معمر تھا اور بہادر شاہ ظفر سے پہلے بھی کئی بادشاہوں کے پاس رہ چکا تھا۔ وہ بہت بڑے ڈیل ڈول کا خوب صورت ہاتھی تھا، جو بیٹھا ہوا بھی کھڑے ہوئے ہاتھیوں کے برابر لگتا تھا۔ اس ہاتھی کی تمام عادتیں اور حرکتیں انسانوں جیسی تھیں۔ مولا بخش سوائے اپنے مہاوت کے کسی کو قریب نہیں آنے دیتا تھا۔ جس دن بادشاہ کی سواری ہوتی اس سے ایک دن بیشتر چوبدار فیل خانے میں آ کر اسے حکم سناتا: ''میاں مولا بخش! کل تمھاری نوکری ہے۔ ہوشیار ہو جاؤ، نہا دھو کر تیار رہنا۔''

حکم پا کر مولا بخش واقعی ہوشیار ہو جاتا۔ جب فیل بان اسے تھان سے کھول کر دریائے جمنا لے جاتے تو وہ سعادت مندی سے ان کے ساتھ جاتا اور پانی میں لیٹ جاتا۔ خدمت گار جھانوؤں سے رگڑ رگڑ کر اس کے بھاری بدن سے میل چھڑاتے۔ کروٹیں بدل بدل کر اسے اچھی طرح نہلاتے اور واپس تھان پر لاتے۔ پھر نقاش اس کے جسم پر نقش و نگار بناتا، سواری کا برج کسا جاتا۔ زیورات وغیرہ پہنا کر آراستہ کیا جاتا۔

مولا بخش خاموشی سے سجانے سنوارنے والوں کے حکم کی تعمیل کرتا۔ پھر جب بادشاہ کی سواری کا وقت ہوتا تو نقار خانے کی ڈیوڑھی پر اسے کھڑا کر دیا جاتا۔ بادشاہ سلامت پالکی پر بیٹھ کر اس کے سامنے پہنچتے تو وہ تین بار سونڈ اُٹھا کر اپنے بادشاہ کو سلامی دیتا اور خود وہیں بیٹھ جاتا۔ جب تک بادشاہ سلامت سوار نہ ہو لیں، اس کے بدن کو جنبش تک نہیں ہوتی تھی۔ جب بادشاہ سوار ہو جاتا اور جونہی چوبدار اشارہ کرتا۔ مولا بخش فوراً اُٹھ جاتا۔

ایک خوبی اور تھی کہ سواری کے وقت دو کمانیں اس کے دونوں کانوں میں پہنائی جاتی تھیں۔ دو ترکش تیر اس کے کانوں کے نیچے آویزاں کیے جاتے اور بہت بڑی سپر فولادی پیشانی پر نصب کی جاتی۔ چاندی کا بہت بڑا حلقہ اس کے سر پر رکھا جاتا۔ جب کہ پیچوان کی چھڑی چوبدار اپنے کندھے پر رکھتا۔

بادشاہ ٹھنڈا حقہ پیتے جاتے تھے اور سواری روانہ ہوتی تھی۔ کیا مجال کہ حقہ گرنے پائے یا چلم گرے۔ بہت سبک رفتار تھا۔ جب سواری سے فرصت پاتا تو پھر ویسا ہی بے پروا ہو جاتا۔ یہ کمال اسی ہاتھی کو حاصل تھا۔

عام اوقات میں مولا بخش اپنے خدمت گار کے علاوہ کسی کو قریب نہیں آنے دیتا تھا، لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ قلعے کے اندر بہت سے کمسن بچے اس کو گھیرے رہتے تھے، بچوں کو دیکھ کر وہ زور زور سے آواز نکال کر خوشی کا اظہار کرتا اور سونڈ سے گنے کے ٹکڑے اُٹھا اُٹھا کر بچوں کو دیتا تھا۔ بچے اپنے ساتھ کھیلنے کو کہتے تو رضامندی میں سر ہلاتا۔

بچے کہتے کہ مولا بخش! ٹنگی آوے، تو مولا بخش اپنا ایک اگلا پیر اُٹھا کر کھڑا ہو جاتا۔

بچے کہتے کہ دو گھڑی کی ہے۔ مولا بخش دو گھڑی تک اُٹھایا ہوا پیر ہلاتا رہتا۔ جب دو گھڑی پوری ہو جاتی تو بچے کہتے پاؤں ٹیک دو۔ مولا بخش پیر سیدھا کر لیتا۔

پھر وہ ''قوں'' کی آواز نکالتا، جس کا مطلب تھا کہ اب تم کھڑے ہو جاؤ۔ اگر گھڑی بھر سے پہلے بچے ہاتھی سے پوچھتے کہ گھڑی پوری ہو گئی تو اس طرح سر ہلاتا جیسے کہہ رہا ہو، ابھی پوری نہیں ہوئی۔ پھر جب گھڑی پوری ہو جاتی تو خود بھی آواز نکالتا۔ جیسے کہہ رہا ہو پاؤں ٹیک دو۔

جس دن بچے نہ آتے وہ چیخ چیخ کر انھیں بلوا لیتا۔

۱۸۵۷ء میں جب لال قلعے پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ بہادر شاہ ظفر قلعے سے

ہمایوں کے مقبرے میں چلے گئے۔

ان دنوں قلعے کا انچارج کپتان سانڈرس نامی انگریز بنا۔ اسے مولا بخش کے مہاوت نے آگاہ کیا کہ بادشاہ سلامت کے جانے کے بعد سے مولا بخش نے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے، اس لیے اگر اسے کچھ ہو جائے تو مجھے قصوروار نہ سمجھا جائے۔

کپتان سانڈرس کو مہاوت کی بات پر یقین نہ آیا۔ اس نے مہاوت سے کہا: ''ہم خود چل کر اس کو کھلائے گا، دیکھتا ہوں کیسے نہیں کھاتا۔''

کپتان نے ٹوکرا بھر لڈو لیے اور کچوریاں وغیرہ منگوائیں فیل خانے پہنچا۔ ملازمین نے ٹوکرا مولا بخش کے سامنے رکھ دیا۔ مولا بخش نے غصے بھری پھنکار نکالی اور ٹوکرا سونڈ سے اُٹھا کر اُچھال دیا۔ ساری مٹھائی بکھر گئی۔ ٹوکرا اس تیزی سے پھینکا گیا تھا کہ اگر کسی انسان کو لگ جاتا تو اس کا کام تمام ہو جاتا۔

کپتان غصے سے پاگل ہو کر چلایا: ''یہ ہاتھی بھی باغی ہو گیا ہے۔ اسے نیلام کر دیا جائے۔''

سانڈرس کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ مولا بخش کو اگلے دن صدر بازار میں لا کر نیلامی کا اعلان کیا گیا۔ مولا بخش خاموشی سے بازار میں کھڑا رہا۔ بار بار نیلامی کی آوازیں لگائی گئیں، لیکن کوئی بولی لگانے پر آمادہ نہ ہوا۔

آخر ایک بنسی نامی پنساری نے ڈھائی سو روپے کی بولی لگائی۔ بنسی پنساری کے نام مولا بخش کی بولی ختم ہوئی تو مہاوت نے اس سے کہا: ''لے بھائی مولا بخش! تو نے اور میں نے تمام عمر بادشاہوں کی خدمت کی۔ اب ہم دونوں کی تقدیر پھوٹ گئی کہ ہلدی کی گرہ بیچنے والے کے دروازے پر چلنا پڑا ہے۔''

مولا بخش اپنے مہاوت کی یہ بات سنتے ہی دھم سے زمین پر گرا اور جاں بحق ہو گیا۔

☆☆☆

ہم فیل ہو گئے

انور شعور

ابا جان یہ فرماتے تھے
اور ہمیشہ سمجھاتے تھے
بیٹا! ہرگز فیل نہ ہونا
کھیل، سراپا کھیل نہ ہو
ہر دم لکھتے پڑھتے رہنا
بڑھتے، بڑھتے، بڑھتے رہنا
روز کا یہ معمول بنانا
پابندی سے مکتب جانا
استادوں کا کہنا سننا
ان کی ڈانٹ بھی سہنا، سُننا
پاس اگر ہو جاؤ گے تم
چین، مسرت پاؤ گے تم

ابا جان یہ فرماتے تھے

لیکن ہم نے ایک نہ مانی
آخر ہوگئی ختم کہانی

اب پچھتانے سے کیا ہوگا
اشک بہانے سے کیا ہوگا

آج کے مشہور و مقبول شاعر اور قطعہ نگار "انور شعور" نے شاعری شروع کی تو ہمدرد نونہال میں ان کی نظمیں چھپیں۔ اس وقت انور شعور "انور افسر شعور" کے نام سے لکھتے تھے۔ یہاں ان کی جو نظم آپ نے پڑھی وہ ہمدرد نونہال، فروری ۱۹۶۳ء میں چھپی تھی۔

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

احادیث شریف

مرسلہ : اعتزاز عباسی، کراچی

☆ ماں باپ کو ایک نظر شفقت کے ساتھ دیکھنے پر ایک حج کا ثواب ملتا ہے۔

☆ جس نے اپنے بھائی کو سلام کیا وہ سلامتی کو پھیلانے والا ہے۔

☆ آپس میں تحائف کا رواج عام کرو، محبت بڑھے گی۔

☆ کسی کا دل مت دکھاؤ، کیوں کہ دکھی دلوں کی فریاد آسمانوں تک جاتی ہے۔

☆ قیدی کو رِہا کرو، بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور بیمار کی عیادت کرو۔

☆ ایک عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے کہ چاند کی فضیلت دوسرے تمام ستاروں پر۔

علامہ اصمعیؒ

مرسلہ : سمعیہ وسیم، سکھر

علامہ اصمعیؒ ۷۶۰ء میں بصرہ کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کا شمار اسلامی تاریخ کے بڑے مشہور علما میں ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف قرآن مجید، بلکہ حدیث، ریاضی، تاریخ اور عربی زبان کے بڑے عالم تھے۔ علم حیاتیات (بیالوجی) میں تو ان کو کافی حد تک کمال حاصل تھا۔ وہ پہلے سائنس داں ہیں، جنھوں نے اس علم میں بڑی تحقیق کے بعد باقاعدہ کتابیں لکھیں۔ ان کی وفات ۸۲۸ء میں ہوئی۔

ایک سے دس ہجری تک

مرسلہ : نادیہ اقبال کراچی

☆ پہلا سال ہجری: مسجدِ نبوی کی تعمیر

ہوئی۔ حضورِ اکرمؐ کا مکان تعمیر ہوا۔ اذان شروع ہوئی۔ زکوٰۃ فرض ہوئی۔

☆ دوسرا سال ہجری: قبلہ کی تبدیلی کا حکم ہوا۔ رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہ سے ہوا۔

☆ تیسرا سال ہجری: جنگِ اُحد ہوئی۔ حضرت حسن بن علیؓ پیدا ہوئے۔ ابو قیس نامی ایک عیسائی مسلمان ہوا۔

☆ چوتھا سال ہجری: یہودیوں کے قبیلے بنو نضر کو مدینہ بدر کیا گیا۔ حضرت حسین ابن علیؓ پیدا ہوئے۔

☆ پانچواں سال ہجری: جنگ خندق کا واقعہ ہوا، جسے جنگِ احزاب بھی کہتے ہیں۔

☆ چھٹا سال ہجری: تاریخی اہمیت کی حامل صلح حدیبیہ ہوئی۔ بادشاہ نجاشی مسلمان ہوا۔

☆ ساتواں سال ہجری: خیبر فتح ہوا۔ خالد بن ولید نے اسلام قبول کیا۔ بادشاہوں کے نام اسلام قبول کرنے کے دعوت نامے بھیجے گئے۔

☆ آٹھواں سال ہجری: مکہ فتح ہوا۔ سارے عرب میں اسلام کی دھاک بیٹھ گئی۔

☆ نواں سال ہجری: غزوہ تبوک ہوا۔ حج فرض ہوا۔

☆ دسواں سال ہجری: حضورِ اکرمؐ نے حجۃ الوداع ادا کیا اور آخری خطبہ ارشاد فرمایا۔

چراغ

شاعر : قدر القادری

پسند : مہک اکرم، لیاقت آباد

محبتوں ہی سے نفرت مٹائی جاتی ہے
محبتوں ہی سے اپنے بنائے جاتے ہیں
یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں قدرؔ بھی
"چراغ جلتے نہیں ہیں، جلائے جاتے ہیں"

خوددار لکڑہارا

مرسلہ : محمد ثاقب، جگہ نامعلوم

عرب کے مشہور سخی حاتم طائی سے

ایک دفعہ لوگوں نے پوچھا: ''اے حاتم! تم نے کسی ایسے شخص کو بھی کبھی دیکھا، جو تم سے زیادہ بلند ہمت اور جواں مرد ہو؟''

حاتم نے جواب دیا: ''ہاں، ایک دن میں نے عرب کے لوگوں کی دعوت کی تھی اور منادی کرا کے ہر امیر و غریب کو شرکت کے لیے کہا۔ اس موقع پر میں نے چالیس اونٹ ذبح کروائے۔ جب میرے گھر میں یہ تقریب ہو رہی تھی تو کسی ضرورت کے تحت مجھے قریبی جنگل جانا پڑا۔ وہاں میری نظر ایک لکڑ ہارے پر پڑی، جو لکڑیوں کا گٹھا باندھ رہا تھا، تاکہ اسے بیچ کر روزی کمائے۔ میں نے اس سے کہا کہ آج تو حاتم کی طرف سے دعوتِ عام ہے۔ مخلوقِ خدا کھانا کھا رہی ہے۔ تُو حاتم کا مہمان کیوں نہیں بنا؟

اس پر لکڑ ہارے نے جواب دیا: ''جو شخص اپنی محنت سے روٹی کھاتا ہے، وہ حاتم کا احسان کیوں اُٹھائے؟ یہ وہ شخص تھا، جسے میں نے جواں مردی اور خود داری میں اپنے آپ سے بڑھ کر پایا۔''

ارضِ پاک

شاعر : احمد ندیم قاسمی

پسند : شاروودل، محمد حسین، میلسی

خدا کرے میری ارضِ پاک پر اُترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو

یہاں جو پھول کھلے، وہ کِھلا رہے برسوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو

یہاں جو سبزہ اُگے، وہ ہمیشہ سبز رہے
اور ایسا سبزہ کہ جس کی کوئی مثال نہ ہو

خدا کرے نہ کبھی خم ہو سرِ وقارِ وطن
اور اس کے حسن کو تشویش ماہ و سال نہ ہو

خدا کرے مرے ایک بھی ہم وطن کے لیے
حیات جرم نہ ہو، زندگی وبال نہ ہو

چارپائی اور کلچر

تحریر : مشتاق احمد یوسفی

پسند : تحریم خان، نارتھ کراچی

لوگ گھنٹوں چارپائی پر کسمساتے

رہتے ہیں، مگر کوئی اُٹھنے کا نام نہیں لیتا، اس لیے کہ ہر شخص اپنی جگہ بخوبی جانتا ہے کہ اگر وہ چلا گیا تو فوراً اس کی غیبت شروع ہو جائے گی۔ چناں چہ پچھلے پہر تک مرد ایک دوسرے کی گردن میں ہاتھ ڈالے بحث کرتے ہیں اور عورتیں گال سے گال بھڑائے کچر کچر لڑتی رہتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مرد پہلے بحث کرتے ہیں پھر لڑتے ہیں۔ عورتیں پہلے لڑتی ہیں اور بعد میں بحث کرتی ہیں۔ مجھے عورتوں کا طریقہ زیادہ معقول نظر آتا ہے، اس لیے کہ اس میں آیندہ سمجھوتے اور میل ملاپ کی گنجایش باقی رہتی ہے۔

ملک ملک کی کہاوتیں

مرسلہ : محمد احتشام کاظم، شیخوپورہ

☆ تجربہ وہ کنگھی ہے، جو زندگی میں ہمیں اس وقت ملتی ہے جب ہمارے بال جھڑ چکے ہوتے ہیں۔ (**بیلجیم کی کہاوت**)

☆ نصیحت ایک ایسی چیز ہے جس کی عقل مندوں کو ضرورت نہیں اور بے وقوف اسے قبول نہیں کرتے۔ (**عربی کہاوت**)

☆ شریف وہ ہے جس کی گواہی کے لیے کوئی نہ آئے۔ (**روسی کہاوت**)

☆ زندگی کا نچوڑ تجربہ ہے اور تجربے کی روح عقل ہے۔ (**چینی کہاوت**)

☆ دل کش چہرے پر نہ جاؤ اکثر کتابوں کے سرورق اچھے اور مواد خراب ہوتا ہے۔ (**فرانسیسی کہاوت**)

☆ دولت مت جمع کرو، کیوں کہ کفن میں جیب نہیں ہوتی۔ (**چینی کہاوت**)

☆ بارش ٹوٹی ہوئی جھونپڑی پر زیادہ زور سے برستی ہے۔ (**بنگلہ دیشی کہاوت**)

دو وجوہ

مرسلہ : نگہت رمضان بھٹہ، اوتھل، لسبیلہ

انسان کی تمام پریشانیوں کی دو وجوہ ہیں:

۱۔ تقدیر سے زیادہ چاہنا اور

۲۔ وقت سے پہلے چاہنا۔

(امام غزالی)

☆☆☆

محنت کی لکیر

جدون ادیب

نجومی کا بورڈ بہت پرانا، مگر اس کی عبارت قابلِ توجہ تھی۔ اعلان کے مطابق صرف بیس رپے میں ایک خاص بات بتانے کے علاوہ صرف ایک سوال کا جواب دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہر سوال کا جواب صرف دس رپے میں اور مکمل زائچہ دو سو رپے میں بنے گا۔

ندیم نے نجومی کا بورڈ پڑھا اور پھر اپنی جیب ٹٹولی۔ اس کے پاس ایک سو بیس رپے تھے۔ اس میں سے وہ پچاس رپے خرچ کر سکتا تھا، یعنی پچاس رپے خرچ کر کے چار سوال پوچھے جا سکتے تھے۔ یہ سب کچھ ندیم نے ایک لمحے میں سوچا، پھر اسے وسیم بھائی کا خیال آیا۔ انھوں نے ایک بار سختی سے نجومی کو ہاتھ دکھانے سے منع کیا تھا کہ اسلام میں منع ہے۔ جب کبھی کسی تحریر میں یا کسی کہانی میں ہاتھ کی لکیروں کا ذکر آیا تو ندیم اپنے ہاتھ کی لکیروں کو بہت غور سے دیکھتا تھا۔ اسے اپنے ہاتھ کی ٹیڑھی میڑھی اور بے ترتیب لکیریں بہت پُر اَسرار لگتیں۔ وہ سمجھتا تھا کہ ان لکیروں میں انسان کی زندگی کا احوال تحریر ہے، مگر ان کا نہ جاننا ہی انسان کے لیے مفید ہے۔ شاید اس لیے ان لکیروں کا راز نہ جاننے کی ہدایت کی گئی ہے۔

ندیم کے والدین وفات پا چکے تھے۔ وہ اپنے بھائی وسیم کے ساتھ اپنی پھوپی کے گھر میں رہتا تھا۔ اس نے ان تمام باتوں پر غور کیا، مگر پھر غیر ارادی طور پر اس کے قدم نجومی کی طرف بڑھ گئے جو کافی دیر سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

نجومی ایک بوڑھا، مگر صحت مند انسان تھا۔ شکل وصورت سے وہ شریف آدمی معلوم ہوتا تھا۔ وہ اپنے محدود علم کی معمولی قیمت لے کر گزر بسر کرتا تھا۔ اس نے ندیم سے اس کی تاریخِ پیدائش پوچھی اور گھریلو حالات سے متعلق کچھ سوالات کیے، حساب کتاب لگا کر

بولا: ''تم کیا جاننا چاہتے ہو؟''

''میں وہ خاص بات جاننا چاہتا ہوں جو آپ میرے بارے میں جان پائے ہیں اور سوال یہ ہے کہ میں دولت مند بن سکوں گا کہ نہیں۔''

نجومی نے غور سے ندیم کی بات سنی اور بولا: ''تم زندگی میں ہمیشہ اس لیے نقصان اُٹھاؤ گے کہ تم دیر سے سوتے ہو۔ اگر تم جلدی سونے اور جلدی جاگنے کی عادت ڈال لو تو تمھاری قسمت بدل جائے گی۔''

یہ کہہ کر نجومی نے ندیم کا ہاتھ پکڑا اور اس کے ہاتھ کی لکیروں کو غور سے دیکھتا ہوا بولا: ''دولت کی لکیر بہت مدھم نظر آ رہی، مگر......''

''مگر کیا؟''

''یہ دوسرا سوال ہے اور اس کا جواب ہے کہ عزم، حوصلے اور مستقل مزاجی سے ناممکن کو ممکن بنایا جا سکتا ہے، ہاتھ کی لکیریں بنتی مٹتی رہتی ہیں، کوئی نئی لکیر بھی جنم لے سکتی ہے۔ اپنے دستِ بازو سے کوئی غیر معمولی کام کیا جا سکتا ہے۔''

ندیم نے پچاس کا نوٹ نکال کر نجومی کے آگے رکھا: ''آپ یہ بتائیے کہ میں اپنا کاروبار کر سکوں گا؟''

نجومی نے نوٹ اُٹھا کر جیب میں رکھا اور کہا: ''ہاں، مگر اپنے بل بوتے پر کام یاب ہو سکتے ہو۔''

ندیم نے جھجکتے ہوئے سوال کیا: ''معاف کیجیے گا، مگر کیا میں اپنی شادی کے بارے میں جان سکتا ہوں؟''

نجومی کے چہرے پر پہلی بار اصلی مسکراہٹ نظر آئی: ''تم اپنی شادی کے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہو، جب پڑھ لکھ کر اچھا کمانے لگو گے، تب شادی ہوگی تمھاری۔''

ندیم نے مسکرا کر نجومی کی طرف دیکھا اور اُٹھ کھڑا ہوا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا: ''بہت شکریہ جناب! آپ نے بہت کام کی باتیں بتائیں۔''

نجومی نے اس کا ہاتھ تھاما اور پُرشفقت لہجے میں بولا: ''تم والدین کے نہ ہونے کی وجہ سے اپنے مستقبل کے بارے میں پریشان رہتے ہو، مگر تمھارا بھائی اب تک ایک ذمے دار انسان ثابت ہوا ہے، وہ تمھاری بہتر پرورش کر رہا ہے۔ اب جب کہ تم اسکول سے کالج کی تعلیم کی طرف جا رہے ہو تو تھوڑی آمدنی پیدا کرنے کی کوشش کرو۔''

ندیم نے مسکرا کر آہستہ سے سر کو ہلایا اور نجومی کو خدا حافظ کہہ کر چل دیا۔

ندیم نے اس دن کے بعد ایک مختلف زندگی کا آغاز کیا۔ وہ صبح جلدی اُٹھنے لگا۔ کچھ عرصے تک وہ گھروں میں اخبار ڈالتا رہا، پھر اس نے ایک جگہ ڈھونڈ لی اور وہاں اپنے ایک

دوست کے ساتھ مل کر کھانے پینے کے سامان کی دکان لگالی۔ گیارہ بجے ندیم سارے کام نمٹا کر گھر میں پہنچ جاتا تھا۔ وہ اب وسیم بھائی کا زیادہ خیال رکھنے لگا۔ اس نے اپنی پھوپی سے کہا کہ وہ وسیم بھائی کی شادی کرادیں۔ وسیم نے یہ بات سنی تو وہ بہت خوش ہوا اور بولا کہ ندیم اب بڑا ہوگیا ہے۔ میرا دست و بازو بن چکا ہے۔ اب میں اپنے بارے میں سوچ سکتا ہوں۔

ندیم کا کام آگے بڑھا تو وسیم نے اسے ایک جگہ دلوادی اور رقم لگا کر اسے دیدہ زیب بنادیا۔ اب دکان صبح سے رات گئے تک کھلی رہنے لگی۔ ندیم کالج سے شام کو آکر دکان پر بیٹھ جاتا۔ ندیم کا دوست بہترین باورچی اور اچھے کردار کا انسان تھا۔ اس کی وجہ سے ندیم کو بہت فائدہ ہو رہا تھا۔ وہ بھی اپنے دوست کا بہت خیال رکھتا تھا۔ ندیم نے ماسٹر ڈگری لینے کے ساتھ ساتھ ہوٹل مینجمنٹ اور شیف کے کئی کورس بھی کر لیے۔ اس کی دکان اب ایک بڑے ہوٹل میں تبدیل ہو چکی تھی۔ کئی لوگ اسے خریدنا چاہتے تھے۔ ندیم نے زیادہ قیمت ملنے پر اپنا چلتا ہوا ہوٹل فروخت کردیا اور ایک منہگے علاقے میں ایک بڑا سا ہوٹل کھولا۔ تعلیم اور ہوٹل کی تربیت کی بنیاد پر جلد ہی کام چل پڑا۔

کئی برسوں کے بعد ندیم کا گزر اسی جگہ سے ہوا، جہاں برسوں پہلے نجومی بیٹھا کرتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ نجومی اب کافی بوڑھا ہوگیا ہے۔ اس کی صحت کافی گر چکی تھی۔ ندیم اپنی کار سے اُتر کر اس کے پاس گیا۔ نجومی نے اسے نہیں پہچانا۔ ندیم نے اپنا تعارف کروایا اور کہا: ”آپ نے نیک نیتی سے مجھے جو مشورے دیے تھے، میں نے ان پر عمل کیا اور آج ایک کامیاب انسان ہوں۔ یہ سب آپ کے خلوص کا نتیجہ ہے۔“

نجومی آہستگی سے مسکرایا اور پیار بھرے لہجے میں بولا: ”میں کوئی نجومی نہیں ہوں، انسانی نفسیات سے تھوڑی سی واقفیت ہے،، بس اس کی بنیاد پر کچھ اچھے مشورے دیتا ہوں۔ تمھیں بھی میں نے محنت کا مشورہ دیا تھا، یہ گویا محنت کی لکیر ہے، جس پر تم نے مستقل مزاجی سے عمل کیا اور کام

یاب ہوگئے۔ میرا ضمیر مطمئن رہتا ہے اور لوگوں کا فائدہ بھی ہو جاتا ہے۔‘‘

’’آج کل آپ کا کام کیسا چل رہا ہے؟‘‘ ندیم نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

’’کام ذرا مندا چل رہا ہے۔‘‘ نجومی دکھ بھرے لہجے میں بولا: ’’میرے پاس جھوٹی تسلیاں نہیں ہوتیں، اس لیے لوگ دوبارہ میرے پاس نہیں آتے، بس دال روٹی چل رہی ہے۔‘‘

’’اب آپ کو یہاں بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔‘‘ ندیم نے ایک دم سے فیصلہ کرتے ہوئے کہا: ’’میرے پاس کافی بڑا اسٹاف ہے۔ آپ میرے کاروبار کی ایک بزرگ کی طرح نگرانی کر سکتے ہیں۔ آپ جیسے مخلص انسان کا مقام یہ فٹ پاتھ نہیں ہے۔‘‘

ندیم یہ فیصلہ کر کے بہت خوش تھا۔ ایک نیک اور صحیح مشورے نے اس کی زندگی بدل دی تھی اور اب وہ اپنے محسن کی باقی زندگی کو پُرسکون بنا کر اس کا حق ادا کرنا چاہتا تھا۔ ☆

خوشی کے پھول

جاوید بسام

فصلوں کی کٹائی ہو چکی تھی۔ تمام کھیت خالی ہو گئے تھے۔ میاں بلاقی بہت مصروف رہا تھا، کبھی وہ گندم کے بورے اپنی بگھی میں لے جاتا نظر آتا تو کبھی سرسوں اس میں بھری ہوتی تھی۔ اس نے خوب پیسا بنایا تھا۔ اب کام ختم ہو گیا تھا۔ ایک دن وہ سو کر اُٹھا تو اسے خیال آیا، آج کچھ تفریح کی جائے۔ وہ بازار میں نکل آیا، جہاں اس کا دوست راجر اپنا سامان نکال کر کام پر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ تصویریں بنا کر روزی کماتا تھا۔ بلاقی بولا: ''تم روز کام کرتے ہو، کوئی چھٹی کیوں نہیں کرتے؟''

راجر نے کہا: ''میری آمدنی کم ہے، اگر کسی دن کام نہ کروں تو گزر بسر مشکل ہو جائے۔''

''تمھیں کچھ تفریح بھی کرنی چاہیے، چلو آج جھیل پر مچھلیاں پکڑنے چلتے ہیں۔''

راجر ہنس کر بولا: ''تم کیا چاہتے ہو، میں ہوا کھا کر پیٹ بھروں؟''

''ہوا کھا کر نہیں، بلکہ مچھلیاں کھا کر، ہم خوب شکار کریں گے۔''

''اور اگر شکار نہ ملا؟''

''اس کی ذمے داری میں لیتا ہوں، مجھے شکار کی اچھی جگہیں معلوم ہیں۔''

راجر سوچ میں پڑ گیا۔ بلاقی نے کہا: ''سوچ کیا رہے ہو! مجھ پر بھروسا کرو۔''

راجر نے سامان سمیٹا اور دونوں روانہ ہو گئے۔ جھیل کے قریب ہی گھنا جنگل تھا۔ راجر اپنے ساتھ مصوری کا سامان لانا نہیں بھولا تھا۔ وہ خوش ہو کر بولا: ''چلو، میں یہاں کچھ اچھی تصویریں بھی بنالوں گا۔''

بلاقی اسے ایک ٹیلے پر لے گیا، جس پر ایک پھول دار درخت اُگا تھا۔ بہت اچھی ہوا چل رہی تھی۔ آبی پرندے بھی پانی میں غوطے لگا رہے تھے۔ بلاقی نے تھیلے سے بنسیاں نکالیں اور راجر کو ایک خاص جگہ کانٹا پھینکنے کو کہا۔ پھر دونوں آرام سے بیٹھ گئے۔ پہلے راجر ہی نے مچھلی پکڑی۔ وہ ایک بڑی چمک دار جلد والی مچھلی تھی، جسے دیکھ کر راجر خوش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد بلاقی کے ہاتھ بھی ایک مچھلی پھنس گئی۔ اس طرح تین گھنٹوں میں انھوں نے سات بڑی بڑی مچھلیاں پکڑ لیں۔ بلاقی بولا: ''راجر! میرا مشورہ ہے تم ہفتے میں ایک دن یہاں ضرور آیا کرو، اپنی ضرورت کی مچھلی نکال کر باقی فروخت کر دیا کرو، اس طرح تمھیں اضافی آمدنی بھی ہو جائے گی۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو، یہاں کے حسین نظارے بھی میرے کام میں مدد گار ثابت ہوں گے۔'' راجر خوش ہو کر بولا۔

بلاقی نے اطمینان سے گردن ہلائی۔ پھر دونوں اپنے اپنے خیالات، میں گم ہو گئے۔ کچھ دیر بعد راجر بولا: ''کیا میں اپنی مصوری کا کام شروع کر دوں؟ اُدھر ایک درخت نارنجی پھولوں سے لدا ہے۔ اس کے پیچھے سرسبز پہاڑ ہیں، میں اچھی تصویر بنالوں گا۔''

''ہاں ضرور، اپنی ڈور مجھے دے دو۔'' بلاقی نے کہا۔

راجر نے اپنا کام شروع کیا۔ بلاقی درخت کی ٹھنڈی چھاؤں اور جھیل کی طرف سے آتی ہوئی فرحت بخش ہوا سے لطف اندوز ہونے لگا۔ راجر تصویر بنانے میں مصروف تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے بلاقی کو آواز دی۔ بلاقی نے چونک کر ''ہوں'' کہا۔

راجر بولا: ''دوست! اس درخت کے نیچے دو آدمی موجود ہیں۔ وہ بار بار اِدھر اُدھر آ، جا رہے ہیں، میں یکسوئی سے تصویر نہیں بنا پا رہا۔''

بلاقی نے کہا: ''اچھا، کیا میں جا کر انھیں وہاں سے ہٹنے کو کہوں؟''

''نہیں، لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ ان کی حرکات مشکوک سی ہیں۔''

بلاقی گھوم کر اس طرف دیکھنے لگا۔ وہ دو آدمی تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ زمین میں کچھ کر رہے ہیں۔

''میں قریب جا کر دیکھتا ہوں۔'' بلاقی بولا۔ وہ جھاڑیوں اور درختوں کی آڑ لیتا ہوا اس طرف بڑھ گیا، واپس آیا تو پریشان نظر آ رہا تھا۔ پھر دھیمی آواز میں بولا: ''وہ لوگ گڑھا کھود رہے ہیں اور قریب ہی بگھی میں ایک لڑکا ہے۔ ان کے پاس اسلحہ بھی ہے۔ ایک آدمی کی جیب بھاری ہو رہی ہے۔ مجھے تو یہ کسی جرم کے آثار لگتے ہیں۔''

راجر پریشانی سے بولا: ''ہمیں کیا کرنا چاہیے؟''

بلاقی سوچ میں ڈوبا تھا: ''میں جا کر پولیس کو خبر کر دوں؟'' راجر نے پوچھا۔

''نہیں، دیر ہو جائے گی، ہمیں خود ہی کچھ کرنا پڑے گا۔'' بلاقی اپنے ذہن میں کوئی منصوبہ بناتے ہوئے بولا: ''سنو، ہم ہنستے، شور مچاتے ان کی طرف بڑھتے ہیں جیسے یہاں آ کر بہت خوش ہیں اور انھیں باتوں میں لگاتے ہیں۔''

''اور پھر اس کے بعد؟'' راجر نے پوچھا۔

''وہ ابھی میرے ذہن میں نہیں ہے۔ آؤ پہلے تو ہم انھیں روکتے ہیں۔''

دونوں بہت اچھے موڈ میں ہنستے، گاتے اس طرف بڑھ گئے۔ بلاقی گا رہا تھا: ''جھومیں گے، ناچیں گے، گائیں گے ہم، آج خوب پکنک منائیں گے ہم۔''

وہ سیٹیاں بھی بجا رہا تھا۔ راجر تالیاں بجا رہا تھا اور ایک ٹانگ اُٹھا کر ناچ بھی رہا تھا۔ وہ بار بار پھسل جانے کی اداکاری کرتا، پھر دونوں خوب ہنستے۔ ان کا شور سن کر وہ دونوں اُچھل پڑے۔

بلاقی انھیں دیکھ کر خوشی سے چلایا: ''آہا، دوستو! آپ بھی یہاں موجود ہیں۔ راجر کہہ رہا تھا کہ ہم یہاں اکیلے ہیں، بہت خوب، وہ جو کہاوت ہے دو سے چار بھلے۔ اب بہت مزہ آئے گا۔''

راجر جلدی سے بولا: ''ایک سے دو بھلے۔''

''ہاں ہاں ایک ہی بات ہے، کیا خیال ہے آپ کا؟''

''آں...... آں'' چوڑے شانوں والا ہکلا کر بولا۔ وہ حیرت سے کدال ہاتھ میں لیے کھڑا تھا۔

بلاقی بولا: ''کیوں نہ پہلے تعارف ہو جائے میں میاں بلاقی اور یہ میرا دوست راجر ہے، یہ بہت اچھا مصور ہے اور آپ کون ہیں؟''

ان کے جواب دینے سے پہلے ہی راجر سینے پر ہاتھ رکھ کر ادب سے جھکا پھر بڑھ کر دونوں سے ہاتھ ملایا اور گلے لگ گیا۔

چوڑے شانوں والا گھبرا کر بولا: ''میں سائمن اور یہ ڈیوڈ ہے۔''

''آپ لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ یہ گڑھا آپ نے کیوں کھودا ہے!؟'' بلاقی نے بڑھ کر گڑھے میں جھانکا۔

''وہ دراصل ہم......'' سائمن کو کوئی جواب نہ سوجھا۔

بلاقی تیزی سے بولا: ''رُکیں رُکیں مجھے اندازہ لگانے دیں۔ میرا خیال ہے......'' وہ ناک پر انگلی رکھتے ہوئے بولا: ''آپ لوگ مقامی اسکول کے استاد ہیں، اپنے طالب علموں کے لیے یہاں سے کچھ جانور پکڑنے آئے ہیں، تاکہ ان کو عملی کام کروا سکیں۔''

''ہاں...... ہاں آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔''

''دیکھا راجر! آج ہمیں کیسے قابل لوگ ملے ہیں، ہم جاہل یقیناً ان کی صحبت میں کچھ نہ

کچھ سیکھیں گے۔'' بلاقی تیزی سے بولے جارہا تھا۔ وہ انھیں سوچنے کا موقع نہیں دے رہا تھا۔

پھر بلاقی نے گڑھے میں جھانکا، جس میں دو تین مینڈک اُچھل رہے تھے اور بولا: ''یہ پانی اور خشکی کا جانور بھی بہت دل چسپ ہے، لائیں میں آپ کو اسے پکڑ کر دوں۔ راجر! تم جھاڑیوں میں دیکھو کوئی تھیلی مل جائے تو ہم ان شریف آدمیوں کی مدد کر سکیں۔''

راجر فوراً ایک تھیلی ڈھونڈ لایا۔ بلاقی گڑھے میں اُترا اور مینڈک پکڑ کر تھیلی میں ڈال دیے۔ پھر بولا: ''ڈاکٹر صاحب! یہ بغیر گردن کا جانور کیا اپنے منھ میں دانت بھی رکھتا ہے؟''

سائمن نے نفی میں گردن ہلائی۔ اسے بلاقی کا وہاں آنا پسند نہیں آیا تھا، لیکن وہ برداشت کر رہا تھا۔ بلاقی باہر آ گیا اور بولا: ''مجھے آبی جانوروں سے بہت دل چسپی ہے۔ مینڈک، کیکڑے اور کچھوے میں کوئی ایسی بات ہوتی ہے جو دوسرے جانوروں میں نہیں ہوتی، کیا اس پر کچھ روشنی ڈالیں گے؟''

''شاید خشکی اور پانی دونوں میں رہتے ہیں۔'' سائمن بھاری آواز میں بولا۔

''ہاں آپ کی بات درست ہے۔'' بلاقی نے کہا۔

''سر جی! میں نے ایک دفعہ ایک کچھوے کی تصویر بنائی تھی۔'' راجر، سائمن کو مخاطب کر کے بولا۔

''وہ تمھارے پاس اپنی تصویر بنوانے یقیناً خود آیا ہوگا۔'' بلاقی قہقہہ لگا کر بولا۔

''نہیں نہیں، اس نے مجھے خط لکھ کر بلایا تھا۔'' راجر ہنس کر بولا۔

دونوں زور زور سے قہقہے لگانے لگے۔ وہ لوگ بھی کھسیانی ہنسی ہنس رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ بلاقی اور راجر وہاں سے جلد چلے جائیں۔ پھر بلاقی نے ایک چھڑی اُٹھائی اور

بولا: ''ہمیں کیکڑے بھی تلاش کرنے چاہییں۔''

وہ نرم زمین میں چھڑی مارنے لگا، پھر آگے بڑھا اور جھاڑیوں میں سے ایک کیکڑا پکڑ کر لایا اور بولا: ''ڈاکٹر صاحب! مجھے یقین ہے، جب آپ عملی کام کروائیں گے تو اپنے شاگردوں سے ہمارا ذکر کرنا نہیں بھولیں گے۔''

''ہاں ضرور، لیکن کیکڑوں کی ضرورت نہیں ہے۔'' سائمن بولا۔

''لے جائیں ڈاکٹر صاحب! بچے دیکھ کر خوش ہو جائیں گے۔''

وہ جلدی جلدی جھاڑیوں میں جانور تلاش کرنے لگا، ساتھ ہی آوازیں دے کر انھیں دوڑا بھی رہا تھا: ''جناب! یہاں آئیں، یہ دیکھیں مجھے لگتا ہے یہ جیلی فش ہے۔ ارے! یہاں گھڑیال بھی ہوتے ہیں؟ اگر آپ کہیں تو ہم انھیں بھی آپ کے لیے پکڑنے کی کوشش کریں۔''

بلاقی انھیں ڈاکٹر صاحب کہہ رہا تھا، جب کہ راجر انھیں سر جی کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔ وہ انھیں مسلسل دوڑا رہے تھے اور بگھی کے قریب ہوتے جا رہے تھے، اچانک بگھی میں سے اونہہ آں کی آواز سنائی دی۔ بلاقی نے بڑھ کر اس کا دروازہ کھول دیا۔ نشستوں کے درمیان ایک لڑکا رسیوں سے بندھا پڑا تھا۔ بلاقی حیرت سے بولا: ''یہ کون ہے؟ اچھا یہ آپ کا کوئی نالائق شاگرد ہوگا، جسے آپ نے یہ سزا دی ہے۔''

سائمن گھبرا کر بولا: ''ہاں آج کل کے بچے پڑھنے کے چور ہیں۔''

''جی ہاں، لیکن اسے بہت سزا مل گئی ہے، اب اسے معافی مل جانی چاہیے۔'' وہ بڑھ کر لڑکے کی رسیاں کھولنے لگا۔

سائمن ایک دم زور سے دھاڑا: ''بس ختم کرو یہ کھیل! بہت ہو گیا۔''

بلاقی نے گھوم کر دیکھا اور بولا: "آپ کو کیا ہوا؟ ابھی تو آپ ٹھیک تھے۔"

سائمن غصے سے بولا: "تم لوگ فوراً یہاں سے چلتے بنو، ورنہ......" اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا، لیکن چونک اُٹھا اس کا ہاتھ خالی باہر آیا تھا: "میرا پستول کدھر گیا؟" وہ چلّایا۔

"تمھارا پستول میرے پاس ہے۔ جب ہم جانور تلاش کر رہے تھے تو میں نے نکال لیا تھا۔" بلاقی سرد آواز میں بولا، پھر اس نے جیب سے پستول نکالا اور دھاڑا: "اپنے ہاتھ اوپر کرلو، میں لحاظ نہیں کروں گا۔"

اس نے ہوا میں ایک فائر کیا۔ درختوں پر بیٹھے پرندے چلّاتے ہوئے اُڑ گئے۔ ان دونوں نے گھبرا کر ہاتھ اوپر کر لیے۔

"راجر! تم لڑکے کے ہاتھ پاؤں کھولو۔" بلاقی بولا۔

راجر نے اس کے ہاتھ پاؤں کھول دیے۔ اسی دوران سائمن نے لات گھمائی، پستول بلاقی کے ہاتھ سے نکل کر دور کہیں جھاڑیوں میں جا گرا۔ وہ دونوں وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ راجر ان کے پیچھے بھاگا، لیکن بلاقی نے اسے روک لیا۔ وہ بولا: "جلدی سے پستول تلاش کرو۔"

پستول ڈھونڈ کر اس نے ہوا میں دو فائر کیے اور اپنا سامان سمیٹ کر وہاں سے چل دیے۔ لڑکے نے روتے ہوئے بتایا کہ وہ دونوں اس کے باپ کی فیکٹری میں ملازم ہیں۔

بلاقی نے اسے دلاسا دیا اور بولا: "چلو ہم تمھیں گھر چھوڑ دیتے ہیں۔"

لڑکے کے ماں باپ اسے دیکھ کر خوشی سے رونے لگے۔ بلاقی نے انھیں تمام واقعہ

سنایا۔ لڑکے کا باپ بولا: ''میں تم لوگوں کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ انھوں نے مجھ سے پچاس ہزار ڈالر مانگے تھے۔ میں انھیں دے رہا تھا، لیکن میرا بیٹا انھیں پہچانتا تھا، اس لیے وہ اسے جان سے مار رہے تھے۔''

اس نے اپنے ایک ملازم کو تھانے روانہ کیا۔ ملازم نے آکر بتایا کہ وہ لوگ پکڑے گئے ہیں۔ فائروں کی آواز سن کر پولیس وہاں پہنچ گئی تھی۔ بلاقی مسکرا کر بولا: ''میں نے اسی لیے فائر کیے تھے کہ کوئی اس طرف متوجہ ہو جائے۔''

لڑکے کے باپ نے تجوری سے ایک بڑی رقم نکالی اور بلاقی کو دینے لگا تو بلاقی نے کہا: ''اس کا حق دار میں نہیں، بلکہ راجر ہے، اسی نے انھیں دیکھا تھا۔ میرا یہ دوست بہت اچھا مصور ہے، لیکن آج کل کچھ پریشان ہے۔''

لڑکے کا باپ بولا: ''راجر! میں بہت دنوں سے اپنی پینٹنگ بنوانے کا سوچ رہا ہوں، کل سے تم اگر اس پر کام شروع کر دو تو میں تمھارا ممنون رہوں گا۔ تم نے اچھی تصویر بنائی تو میں تمھیں اپنے دوستوں سے بھی ملا دوں گا۔''

راجر راضی ہو گیا۔ پھر دونوں وہاں سے چل دیے۔ راستے میں راجر بولا: ''آج کا دن تو میرے لیے بہت خوش قسمت ثابت ہوا، لیکن یہ بات غلط ہے اس رقم میں سے آدھی تم لے لو۔'' بلاقی مسکرا کر بولا: ''نہیں دوست! یہ سب تمھارے ہیں۔ اس لڑکے کو بچا کر جو خوشی مجھے ملی ہے وہ ایسے پھولوں کی طرح ہے جو کبھی نہیں مُرجھاتے۔ یہ خوشی کے پھول میرے لیے بہت قیمتی ہیں۔

☆☆☆

نصیحت

کرشن پرویز، انڈیا

بات بچو! سب کو یہ سمجھائیے
کچھ نیا اس زیست میں کر جائیے

کیوں تکبر سرکشی کرتے ہیں آپ
انکساری ، عاجزی اپنائیے

گر قناعت اور محبت پاس ہے
پھر نہ کوئی اور دولت چاہیے

فتح و نصرت پھر نہیں مل پائے گی
عیش و عشرت میں اگر کھو جائیے

اپنا مستقبل سنواریں اس طرح
غلطی ماضی کی نہ پھر دہرائیے

خود کو تم تنہا نہ پاؤ گے کبھی
راہ پر انسانیت کی جائیے

حرص و نفرت میں بہت نقصان ہے
پیار کرنا سب کو ہی سکھلائیے

دل میں پیدا ہوگی پھر حیوانیت
آپ جب بھی غصے میں آ جائیے

کام یابی بھی قدم چومے گی پھر
راہ محنت کی اگر اپنائیے

اقبال اور اُستاد

نسرین شاہین

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے: "علم سیکھو اور سکون و وقار سیکھو اور جس سے علم سیکھو، اس سے تواضع اور انکساری کا برتاؤ کرو۔"

استاد کی شفقت اور شاگرد کے ادب سے جو مقدس رشتہ وجود میں آتا ہے، اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ ان ہی خوش نصیب لوگوں کو ہو سکتا ہے جو اپنے استادوں کی تعظیم سے کبھی غافل نہیں ہوئے۔ ہمارے قومی شاعر علامہ محمد اقبال ہمیشہ اپنے اساتذہ کی عزت اور ان کی قدر دانی کرتے رہے۔ انھوں نے اپنے اشعار میں بھی اپنے استادوں سے عقیدت اور محبت کا اظہار کیا ہے۔

محمد اقبال ۹ نومبر ۱۸۷۷ء (۳ ذیقعدہ ۱۲۹۴ ہجری) کو سیالکوٹ کے ایک کشمیری خاندان میں شیخ نور محمد کے ہاں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ کا نام امام بی بی تھا۔ انھوں نے بیٹے کا نام محمد اقبال رکھا۔ وہ بچپن ہی سے بہت ذہین اور لائق تھے۔

یہ ۱۹ ویں صدی کے آخری برسوں کا واقعہ ہے کہ شیخ نور محمد کے کمسن بیٹے محمد اقبال محلہ شوالہ کی مسجد میں دینی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ان دنوں مولوی غلام حسین مواحد بچوں کو پڑھا رہے تھے کہ مولوی میر حسن کا اُدھر سے گزر ہوا۔ ملاقات کے لیے مکتب میں تشریف لے آئے، اقبال بھی مکتب میں اپنا سبق یاد کر رہے تھے، دورانِ گفتگو معصوم صورت، ذہین اور نیک اقبال پر ان کی نظر پڑی تو دریافت کیا: "یہ کس کا بچہ ہے، کیا نام ہے؟"

مولوی مواحد نے فرمایا: ''شیخ نور محمد کا لڑکا اقبال ہے۔''

کمسن اقبال کی پیشانی پر مولوی میر حسن نے ذہانت اور اقبال مندی کی خدا جانے کون سی تحریر پڑھ لی کہ چند روز بعد جب ان کے والد سے سرِ راہ ملاقات ہوئی تو فرمایا: ''آپ کا بیٹا اقبال محلّہ شوالہ کے مکتب میں جاتا ہے، اسے میرے پاس بھیج دیں، میں اسے خود پڑھاؤں گا۔''

یوں اقبال مولوی میر حسن کی شاگردی میں آ گئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت مولوی میر حسن کی زیرِ نگرانی مکمل کرنے کے بعد مقامی اسکول سے مڈل اور میٹرک کے امتحانات پاس کیے، پھر اسکاچ مشن کالج سے ایف اے کا امتحان پاس کیا۔

ایف اے پاس کرنے کے بعد اقبال گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہو گئے۔ وہ ایک ذہین طالب علم کی حیثیت سے سابقہ امتحانوں میں امتیازی حیثیت اور وظیفہ حاصل کرتے آئے تھے۔ گریجویشن مکمل کرتے ہوئے نوجوان محمد اقبال نے انگریزی اور عربی میں سونے کے دو تمغے حاصل کیے۔ ۱۸۹۹ء میں انھوں نے پنجاب یونی ورسٹی سے فلسفہ میں ایم اے اس شان دار طریقے سے کیا کہ صوبے بھر میں اول آئے اور اپنے بڑے بھائی کے تعاون اور حوصلہ افزائی کی بدولت مزید اعلا تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلستان گئے۔

علامہ محمد اقبال کے استاد مولوی میر حسن نے ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت اتنی دل جمعی اور توجہ سے کی تھی کہ تعلیمی دور کے اگلے مراحل آسان ہوتے چلے گئے۔ مولوی میر حسن اردو، عربی، فارسی کے بہترین استاد تھے۔ ان کی شخصیت کوئی عام استاد کی نہ تھی۔

وہ بلند پایہ عالم و فاضل تھے۔ اقبال کو ایک عالمِ بے نظیر بنانے کی انھیں بہت فکر تھی۔ ان کو درس و تدریس سے لگاؤ تھا۔ مولوی میر حسن نے تعلیم کا آغاز ایک مسجد سے کیا، پھر مشن اسکول سیالکوٹ میں فارسی پڑھانے کے لیے دس رپے ماہوار کی ملازمت کرلی، کچھ عرصے بعد کالج میں پڑھانے لگے۔ یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ پنجاب کے انگریز گورنر نے جب علامہ محمد اقبال کو ''سر'' کا خطاب دینے کی پیش کش کی تو انھوں نے ''شمس العلماء'' کے خطاب کے لیے اپنے استاد محترم مولوی میر حسن کا نام پیش کیا۔ گورنر پنجاب نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا: ''اچھا یہ فرمایئے انھوں نے کون سے کتابیں تصنیف کی ہیں؟''

علامہ محمد اقبال نے فرمایا: ''ان کی زندہ تصنیف میں آپ کے سامنے موجود ہوں۔ جسے ''سر'' کا خطاب پیش کیا جارہا ہے۔'' گورنر صاحب لاجواب ہوگئے۔ چناں چہ فلسفۂ خودی کے ترجمان ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کے لیے ''سر'' کا خطاب اور ان کے استاد محترم میر حسن کے لیے ''شمس العلماء'' کا خطاب منظور ہوا۔ انھوں نے گورنر پنجاب سے درخواست کی کہ میرے بزرگ استاد ضعیف العمر ہیں، اس لیے انھیں لاہور تک سفر کی زحمت نہ دی جائے۔ وہ اس وقت سیالکوٹ میں رہتے تھے۔

اس مجبوری کے پیشِ نظر گورنر ہاؤس سے ''شمس العلماء'' کے خطاب کی سند مولوی میر حسن کو ان کے بیٹے کے ذریعے سے جو گورنر ہاؤس میں معالج تھے، سیالکوٹ بھیج دی گئی۔ اس مثال سے بخوبی واضح ہے کہ محمد اقبال کے دل میں اپنے فاضل استاد کے لیے بے پناہ محبت اور احترام موجود تھا۔

☆☆☆

فلسفی چاچا

محمد شاہد حفیظ

ان کا اصل نام تو نہ جانے کیا تھا، مگر سب انھیں فلسفی چاچا کہتے تھے۔ ان سے گفتگو کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی بات آسانی سے سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ کوئی احمق نہیں، بلکہ اس علاقے کے سب سے زیادہ علم والے انسان تھے۔ وہ تاریخ، جغرافیے، کیمیا کے موضوع پر کافی علم رکھتے تھے۔ ان کے دماغ میں نت نئے خیالات جنم لیتے تھے اور جب وہ گفتگو کرتے تو ان کا انداز سے مفکروں جیسا ہوتا تھا، اس لیے ان کا نام فلسفی چاچا رکھ دیا گیا اور یہی نام لوگوں کی زبان پر چڑھ گیا۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا تو انھیں فلسفی چاچا ہی سنا تھا۔ ان کی خاص بات یہ تھی کہ وہ سب کے دوست تھے۔ بچوں سے تو انھیں بے حد محبت تھی۔ علاقے کے سب بچے ان سے مانوس تھے۔ پہلے وہ ایک جنرل اسٹور چلاتے تھے۔ جب اسٹور سے ان کا دل اُکتا گیا تو انھوں نے آئس کریم بیچنا شروع کر دی۔ انھوں نے آئس کریم بیچنے والی سائیکل جیسی گاڑی لے لی۔ یہ کاروبار پہلے کی نسبت سود مند ثابت ہوا۔ ان کی آئس کریم بچوں کو بہت پسند تھی۔ فلسفی چاچا اپنے کاروبار سے نہایت مطمئن تھے، اس لیے کہ گاڑی چلاتے ہوئے وہ خود کو متحرک محسوس کرتے تھے۔ بچے نہ صرف ان سے مانوس ہو گئے، بلکہ ان کی آئس کریم گاڑی کو بھی پہچاننے لگے۔ میں نے ان سے آئس کریم کی مقبولیت کی وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا: ''میں بادام کو پیس کر کافی کے ساتھ ملا دیتا ہوں اور پھر دودھ ڈال کر پستے چھڑک دیتا ہوں۔ کبھی کبھار ذائقہ تبدیل کرنے کے لیے اس میں اورنج یا مینگو کا رس بھی شامل کر دیتا ہوں۔''

میں نے انھیں مشورہ دیا کہ وہ کسی بڑی کمپنی کی آئس کریم خرید کر اپنا لیبل لگا کر بیچیں تو انھیں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی، مگر انھوں نے کہا: ''اگر میں بڑی کمپنیوں کی

تیار کردہ آئس کریم فروخت کروں تو بچوں کو پسند نہیں آئے گی۔ میں اپنے ہاتھ سے آئس کریم تیار کرتا ہوں، جو بچوں کی پسند کے مطابق ہوتی ہے۔ اس میں جو کچھ مل رہا ہے وہ میری ضرورتوں کے لیے کافی ہے۔"

فلسفی چاچا کی آئس کریم گاڑی کے گرد بچوں کا ہجوم رہتا تھا۔ شام کو ان کی جتنی بھی آئس کریم بچتی، وہ سب بچوں میں تقسیم کر دیتے۔ ان کا کہنا تھا کہ شام تک یہ نرم اور ملائم ہو جاتی ہے۔ اگر میں اسے دوسرے روز کے لیے رکھوں گا تو یہ خراب ہو جائے گی۔ اس کام سے مجھے شہرت کے ساتھ ساتھ نیک نامی بھی ملتی ہے۔

فلسفی چاچا فارغ اوقات میں مطالعہ کرتے تھے۔ انھیں تاریخ، فلسفہ اور کیمیا سے بہت دل چسپی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارے اسکولوں، کالجوں میں تاریخ کا مضمون بہت کم پڑھایا جاتا ہے۔ ہماری نوجوان نسل اس میں زیادہ دل چسپی نہیں لیتی، حال آں کہ انھیں اپنے بزرگوں کے کارنامے ضرور پڑھنے چاہییں۔ اس سے انھیں مستقبل سنوارنے کا روشن راستہ نظر آئے گا۔

ایک دن دو آدمی ان کی آئس کریم گاڑی کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے اور آئس کریم طلب کی۔ آئس کریم انھیں نہایت خوش ذائقہ لگی، جو انھوں نے مزے لے کر کھائی۔ ان میں نے ایک آدمی بولا: "بڑے میاں! ہم ایک مہینے سے تمھیں آئس کریم فروخت کرتے دیکھ رہے ہیں۔ تمھارا کاروبار عروج پر ہے، اس لیے تم جب شام کو چھٹی کر کے گھر واپس جانے لگتے ہو تو باقی بچی ہوئی آئس کریم اپنے ساتھ نہیں لے جاتے، بلکہ بچوں میں مفت تقسیم کر دیتے ہو۔ ہمیں تمھارے کاروبار پر رشک آتا ہے، کیوں نہ تم ہمیں اپنا حصے دار بنا لو۔"

"تمھارا شکریہ۔" چاچا نے کہا: "مجھے اپنے گزارے کے لیے معقول رقم مل جاتی ہے، اس لیے حصے دار کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔"

"ہمارے ساتھ مل کر تم کام تو یہی کرو گے بڑے میاں! مگر چھوٹے سے گھر میں رہنے کی

بجائے تم ایک شان دار گھر میں رہنے لگو گے۔ تھوڑے دنوں میں تمھارے پاس ایک خوب صورت سی کار ہوگی۔ تمھیں ساری آسایشیں مل جائیں گی اور دولت کی ریل پیل ہوگی۔''

''صرف آئس کریم فروخت کرنے کے بدلے اتنا سب کچھ۔'' چاچا نے حیرت سے کہا۔

وہ آدمی ہنس کر کہنے لگے: ''بڑے میاں! وہ اس جیسی آئس کریم نہیں ہوگی۔ ہم تمھاری آئس کریم میں ایک ایسی چیز ملا دیں گے کہ بچے اس کے عاشق ہو جائیں گے۔ انھیں اس کے سوا کوئی آئس کریم اچھی نہیں لگے گی۔ وہ تمھاری راہ تکیں گے اور صرف تم سے ہی آئس کریم طلب کریں گے۔''

''تم میری آئس کریم میں ایسی کون سی چیز ملانا چاہتے ہو؟'' چاچا بدستور حیران تھے۔

''تم سمجھے نہیں بڑے میاں! میرا خیال تھا کہ تم عقل مند ہو اور عقل مند کو اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔''

''میرا خیال ہے تم میری آئس کریم میں کوئی نشہ آور چیز ملانا چاہتے ہو اور میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گا۔'' فلسفی چاچا نے کہا: ''مجھے تمھاری غلیظ اسکیم سے کوئی دل چسپی نہیں، اس لیے میں تمھارے ساتھ پارٹنرشپ نہیں کرنا چاہتا۔''

چاچا کا فیصلہ کن جواب ان سے برداشت نہ ہوا، وہ غصے سے بھر گئے۔ انھوں نے چاچا کو ایک ویران گلی میں گھسیٹ لیا اور ایک نے چاقو نکال کر گردن پر رکھ دیا اور بولے: ''بڑے میاں! تمھارے سامنے ایک شان دار مستقبل ہے۔ تمھاری زندگی میں عیش ہوگا، مگر اس وقت، جب تم ہماری بات مان لو گے۔ دوسری صورت میں تمھیں موت کو گلے لگانا ہوگا۔ جلدی نہیں ہے۔ گھر جا کر اس پر سوچ بچار کرو اور ہمیں کل جواب دینا اور ہم سے چالاکی کرنے کی کوشش بالکل نہ کرنا۔'' انھوں نے فلسفی چاچا کو چھوڑ دیا اور ایک ویران گلی میں غائب ہوگئے۔

ان واقعات کا علم مجھے ہوا تو میں نے چاچا سے بات کی اور ان کے خیالات جاننا چاہے۔

پولیس کر بھی کیا سکتی ہے؟ وہ میری حفاظت کے لیے ہر وقت تو میرے پاس نہیں رہ سکتی۔ بات پولیس تک پہنچ گئی تو پورے علاقے میں پھیل جائے گی اور میری ساکھ خراب ہوگی، اس لیے اس معاملے کو میں خود دیکھوں گا اور اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔'' چاچا نے ایک عزم کے ساتھ کہا۔

''میں خوف زدہ نہیں ہوں، لیکن میں نے پولیس سے رابطہ نہیں کیا۔

''مگر کیسے چاچا؟ آپ ان کا مقابلہ کیسے کریں گے؟ مجھے تو وہ خطرناک لوگ دکھائی دیتے ہیں۔ جب وہ دھمکی دے سکتے ہیں تو اس پر خدانخواستہ عمل بھی کر سکتے ہیں۔'' میں نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

''معلوم نہیں میں ان کا مقابلہ کیسے کروں گا؟ لیکن میرا خیال ہے کل تک کچھ نہ کچھ سوچ لوں گا۔'' فلفی چاچا نے کہا۔

میں سوچ رہا ہوں کہ ایک گمنام شخص کی حیثیت سے پولیس کو فون کر کے معاملے سے آگاہ کردوں۔ پھر یہ خیال آتا ہے کہ معاملہ بگڑ نہ جائے۔''

وہ رات چاچا نے اندیشوں اور وسوسوں میں گزار دی۔ فلفی چاچا اپنی آئس کریم گاڑی لے کر واپس آ گئے۔ حسبِ معمول وہ خوش مزاج دکھائی دے رہے تھے۔ انھوں نے صبح ہوٹل سے چاے پی اور کام پر روانہ ہو گئے۔ میں نے انھیں روکنا چاہا کہ آج وہ چھٹی کر لیں، کیوں کہ ان کی جان کو خطرہ ہے، مگر وہ ایک پختہ ارادے کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ میں نے سارا دن پریشانی اور خوف کے عالم میں گزارا اور دل ہی دل میں فلفی چاچا کی خیریت کی دعائیں مانگتا رہا۔

شام ہونے سے پہلے میں نے چاچا کو اپنی گاڑی پر سوار آتے دیکھا تو خوشی سے میری باچھیں کھل گئیں۔ میں بھاگ کر ان کے پاس پہنچا اور فوراً سوال کیا: ''چاچا! ان منشیات فروشوں نے آج آپ سے کیا کہا؟''

چاچا نے بتایا: ''دو گھنٹے قبل میری ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ انھوں نے مجھ سے آئس کریمیں خریدیں، جو میں نے مفت پیش کر دیں۔ پھر ہم نے اُس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی اور میں نے ان کی پارٹنر شپ کی ہامی بھر لی۔''

فلسفی چاچا کی بات سن کر مجھے ذہنی جھٹکا لگا۔ میں نے کہا: ''چاچا! آپ نے یہ کیا کیا؟ ان کا ساتھ دینے پر تیار ہو گئے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ملک وقوم کے دشمن ہیں۔''

چاچا نے آسمان کی طرف نگاہیں اُٹھائیں اور کہا: ''وہ دونوں دشمن جنھوں نے میری آئس کریم کھائی تھی اس وقت دنیا سے بے خبر غنودگی کی حالت میں ہوں گے۔

''ک......ک......کیا؟'' میں نے تقریباً ہکلا کر کہا: ''آ......آپ نے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا؟''

''میں نے انھیں ہلاک نہیں کیا۔ تم یقین کرو نہ میں نے انھیں وہ خصوصی آئس کریم کھانے پر مجبور کیا تھا۔ انھوں نے خود آتے ہی فرمایش کی تو میں نے انھیں پیش کر دیں۔ وہ میری آئس کریم میں بچوں کے لیے نشہ ملانا چاہتے تھے، لیکن ان سے پہلے میں نے یہ کام کر دیا۔ آلودہ آئس کریم نے اب تک ان کو ناکارہ کر دیا ہوگا۔''

''چاچا! کیا وہ مر چکے ہوں گے؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں، تمھیں معلوم ہے کہ مجھے کیمیا سے بھی واقفیت ہے۔ میں نے آئس کریم میں ایک ایسا کیمیکل شامل کر دیا تھا، جس سے ان کی یادداشت گم ہو جائے گی۔ اب ماضی کی کوئی بات انھیں یاد نہیں آئے گی۔ ان کا ذہن ایک سادہ کاغذ جیسا ہو جائے گا، پھر میں انھیں نیک راستے پر لگا دوں گا۔''

''آپ نے انھیں پولیس کے حوالے کیوں نہیں کر دیا؟''

''میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ پولیس رشوت لے کر انھیں چھوڑ دیتی، پھر وہ کہیں اور جا کر تخریب کاری کرتے۔ اپنے اس کام سے میں مطمئن ہوں، ملک دشمنوں کا علاج یہی ہونا چاہیے۔''

فلسفی چاچا کی بات سن کر میرے دل میں سکون و اطمینان کی لہر اُمڈ آئی اور میں رشک بھری نگاہوں سے انھیں دیکھنے لگا۔

☆☆☆

نونہال مصور

سمعیہ وسیم، سکھر

محمد بلال، مردان

طارق قاسم، نواب شاہ

سیدہ ماہ لقاء زیدی، کراچی

سیدہ نایاب بتول، ڈیرہ غازی خان

ازکیٰ راؤ عبدالغفار، لانڈھی

تصویر خانہ

محمد دانیال، اٹک سٹی

اسماء عثمان، اٹک سٹی

سید حارث جاوید، نارتھ کراچی

محمد عمیر جلال، حاصل پور

محمد اویس جلال، حاصل پور

عبدالباسط ساجد، ملتان

احمد دانیال، کراچی

احمد نہال، کراچی

بلاعنوان انعامی کہانی

شمیم نوید

ابھی نئی صدی کو شروع ہوئے دو مہینے ہی گزرے تھے کہ ساری دنیا کے نونہالوں میں بے چینی پھیل گئی۔ نونہالوں کو اپنے بڑوں سے ہرگز یہ اُمید نہیں تھی کہ ان کے حقوق اچانک اس طرح چھین لیے جائیں گے۔ یہ واقعہ یکم مارچ ۲۱۰۱ء کا ہے کہ ایک نئے قانون کے تحت نونہالوں پر ایک پابندی لگا دی گئی۔ اس نئے قانون کا تعلق ماضی کے سفر سے تھا۔ ماضی یعنی گزرے ہوئے زمانے میں سفر کا مطلب یہ ہے کہ آدمی برسوں، بلکہ صدیوں پُرانے زمانے میں پہنچ جائے اور اس زمانے کی زندگی گزارنے کے طریقے اور حالات خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لے اور سُن لے، جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔

اب دنیا کا کوئی بھی نونہال ٹائم مشین کے ذریعے سے ماضی کی سیر کرنے کے لیے نہیں جا سکتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ گزشتہ صدی (اکیسویں صدی) کے آخر میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے تھے، جنھیں نونہالوں کے لیے خطرناک قرار دیا گیا تھا۔ جو نونہال ماضی میں گئے ہوئے تھے، انھیں بھی واپس بلا لیا گیا تھا۔ اس کے لیے عمر کی حد پندرہ سال مقرر کی گئی تھی۔ پندرہ سال یا اس سے کم عمر کے کسی نونہال کے لیے اب یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ ماضی کے سفر پر جا سکے۔ اب یہ غیر قانونی تھا۔ ایسے نونہالوں کے لیے سخت سزا کا اعلان بھی کیا گیا جو اس نئے قانون کی خلاف ورزی کریں۔

ٹائم مشین کی ایجاد پچھلی صدی میں ہوئی تھی۔ شروع شروع میں ہر ایجاد کی طرح اس کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے سائنس دانوں نے بڑی کوششیں کی۔ اس کا سائز بہت بڑا تھا۔ ایک صندوق نما جگہ میں آدمی کو بند کر دیا جاتا اور پھر اس کے ساتھ لگے ہوئے بہت سے ڈائلوں میں لگی ہوئی سوئیوں کو حرکت میں لایا جاتا، تب کہیں جا کر مشین حرکت میں آتی۔ اس عمل کے لیے سائنس دانوں کی ایک ٹیم کو موجود رہنا پڑتا۔

سب سے پہلے سائنس دانوں نے رفتہ رفتہ اس کے سائز کو کم کیا۔ اس میں کئی برس لگے۔ سائنس داں اپنی اس کوشش میں کام یاب ہو گئے۔ انھوں نے چمڑے کی ایک ایسی چوڑی پیٹی بنالی، جس میں چوکور اور گول چھوٹے چھوٹے بہت سے ڈائل لگے ہوئے تھے۔ اس پیٹی کو آدمی کی کمر سے باندھ دیا جاتا اور وہ خود ہی مختلف ڈائلوں کے بٹن دبا کر ٹائم مشین کو اسٹارٹ کر لیتا اور پھر ماضی کے سفر پر روانہ ہو جاتا۔ اس کے لیے ماضی میں جانے والے کو ایک عرصے تک خاص تربیت حاصل کرنی پڑتی تھی۔ اب سائنس دانوں کی ٹیم کا اس موقع پر موجود رہنا ضروری نہیں رہا۔ جو شخص ٹائم مشین کے ذریعے سے سفر کرتا، اس کا جسم لہروں میں تبدیل ہو کر ماضی میں پہنچ جاتا۔

اس کے لیے وہ وقت اور زمانہ پہلے ہی طے کر لیتا تھا اور ڈائلوں کے وہی بٹن دبا دیتا تھا، جہاں اور جس زمانے میں اسے جانا ہوتا تھا۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ انجانے میں کسی غلط بٹن پر انگلی پڑ جاتی یا جو بٹن نہیں دبانے چاہیے تھے، وہ بھی دب جاتے۔ اس سے مشین میں خرابی پیدا ہو جاتی۔ اس کا نتیجہ کبھی کبھی کسی حادثے کی صورت میں نکلتا۔ کبھی ایسا شخص ہمیشہ کے لیے معذور ہو جاتا اور کبھی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔

جلد ہی سائنس دانوں نے اس پر بھی قابو پا لیا۔ اب کوئی بٹن دبانے کی ضرورت نہیں رہی۔ ٹائم مشین کو آدمی کے خیالات کا پابند کر دیا گیا۔ وہ جس زمانے اور وقت کے بارے میں سوچتا، ٹائم مشین اسے چند لمحوں میں وہیں پہنچا دیتی۔ اس کے لیے صرف یہ لازمی تھا کہ ٹائم مشین اس کی کمر سے بندھی رہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس طریقے کی خرابیاں بھی سامنے آتی گئیں۔ پہلا حادثہ اس وقت ہوا جب ایک شخص نے ماضی میں پہنچ کر ٹائم مشین کو اپنی کمر سے بے احتیاطی کے ساتھ کھولا اور وہ زمین پر گر گئی۔ اس کی وجہ سے مشین میں خرابی پیدا ہوگئی۔ وہ شخص ماضی سے واپس آتے ہوئے اپنے ہاتھوں اور پیروں سے محروم ہو گیا۔ اس نے وجہ بتائی تو سائنس داں سوچ میں پڑ گئے۔ اب وہ اس خرابی کا بھی کوئی حل تلاش کرنا چاہتے تھے۔

اس نئی کوشش کے نتیجے میں ایک سال کے مختصر عرصے میں سائنس دانوں کو کام یابی حاصل ہوگئی۔ اب ٹائم مشین کو کمر سے باندھنا لازمی نہ رہا، کیوں کہ اس کی شکل ہی بدل گئی تھی۔ اب وہ چھوٹی سی ایک ڈبیا تھی جسے آسانی کے ساتھ حفاظت سے جیب میں رکھا جاسکتا تھا۔ اسے حرکت میں لانے کے لیے صرف ایک بٹن دبانا پڑتا۔ پھر وہ کام کرنے لگتی۔ بٹن دبانے والا جہاں بھی جانا چاہتا، پہنچ جاتا۔ یہ بہت بڑی کام یابی تھی۔ اس کے بعد ٹائم مشین کا استعمال اتنا آسان ہو گیا کہ نونہال بھی اپنی جیب میں یہ ڈبیا رکھ کر ماضی کی سیر پر جانے لگے۔ نونہالوں کو ماضی کی سیر کا بہت شوق تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں وہ جو کچھ پڑھتے خود ماضی میں جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھ آتے۔

اب جو نیا قانون بنا، اس سے نونہالوں کو بہت افسوس ہوا۔ وہ بائیسویں صدی کے نونہال تھے۔ انھوں نے سوچا کہ جس طرح دنیا کے بڑوں نے مل کر ان کے خلاف قانون بنایا ہے، وہ بھی ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر اپنے حقوق کی جنگ لڑ سکتے ہیں۔ اس کے لیے انھوں نے دیس دیس کے نونہالوں سے رابطہ قائم کیا۔ وہ نونہالوں کی اقوام متحدہ بنانا چاہتے تھے، جو حقوق حاصل کرنے میں ان کی مدد کرے۔

کافی عرصے کی کوشش کے بعد نونہالوں نے اپنے مقصد میں کام یابی حاصل کر لی۔ اس تنظیم کا پہلا اجلاس ترکی کے شہر استنبول میں ہوا۔

اجلاس میں تمام دنیا کے نمائندہ نونہال شریک تھے، جنھوں نے بڑی دلیلوں کے ساتھ

تقریریں کیں۔ اس کے بعد مختلف ملکوں میں مظاہروں کے پروگرام بنائے گئے۔ اس پر عمل بھی ہوا، لیکن دنیا کے بڑوں کے کانوں پر جوں نہ رینگی۔ انھوں نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا۔

جو نونہال اب تک ماضی کی سیر نہیں کر سکے تھے وہ اپنے سے بڑے نونہالوں کو گھیر کر بیٹھ جاتے۔ یہ وہ نونہال ہوتے جو ماضی کی سیر کر چکے تھے۔

مصر کے شہر قاہرہ کا ایک نوجوان ادریس بھی ایسے ہی نونہالوں میں سے ایک تھا، جو ماضی کی سیر کئی بار کر چکا تھا۔ ادریس کی عمر پندرہ سال تھی۔ اس نے ترکی میں ہونے والے اجلاس میں بھی مصری نونہالوں کی نمائندگی کی تھی۔ نونہالوں کے حقوق کا وہ بڑا سرگرم رکن تھا۔

ادریس کا چھوٹا بھائی فواد اور چھوٹی بہن لیلیٰ دونوں ہی اس سے ماضی کی سیر کے مزے دار قصے سنتے۔

لیلیٰ اور فواد نے اپنے بڑے بھائی ادریس سے ایسے کئی قصے سنے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فواد کو ماضی کی سیر کا کچھ زیادہ ہی شوق ہو گیا۔ ادریس سے وہ صرف ایک ہی سال چھوٹا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ گھر میں ٹائم مشین موجود ہے۔ یہ ٹائم مشین ادریس کی تھی۔ اسے اب وہ نیا قانون بننے کے بعد استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ فواد کو معلوم تھا کہ اس کا بڑا بھائی ادریس کبھی اسے ٹائم مشین نہیں دے گا۔ اس نے سوچا، ایک ہی ترکیب ہے۔ کسی رات خاموشی کے ساتھ میں بھائی جان کی الماری کھول کر ٹائم مشین نکال لوں اور ماضی کی سیر پر نکل جاؤں۔ وہاں سے واپس آ کر میں ٹائم مشین کو چپکے سے دوبارہ الماری میں رکھ دوں گا اور کسی کو اس کی خبر بھی نہیں ہوگی۔ فواد نے اپنے اس ارادے سے کسی کو بھی آگاہ نہیں کیا۔

پھر ایک رات فواد نے ایسا ہی کیا۔ اس نے ادریس کی الماری کھول کر ٹائم مشین نکالی اور اسے اپنی پینٹ کی جیب میں رکھ کر گھر کے باغ میں آ گیا۔ باغ میں رات کے وقت کوئی نہیں تھا۔ فواد نے پینٹ کی جیب سے ٹائم مشین نکالی اور اس کا بٹن دبا کر دوبارہ اسے جیب میں رکھ لیا۔ پہلے

اس نے مغل بادشاہ اکبر کا دربار اپنی آنکھوں سے دیکھا اور بہت خوش ہوا۔ اس کے بھائی ادریس نے اکبر بادشاہ کے دربار کا جو نقشہ کھینچا تھا فواد نے ویسا ہی پایا، پھر ٹائم مشین کے ذریعے سے وہ اکبر بادشاہ کے دادا بابر بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔ اس موقع پر اسے ایک ڈراما یاد آیا جو اس کے کورس میں شامل تھا۔

اب فواد نے ٹائم مشین نکال کر اس کا بٹن دبایا اور سنہ ۴۴ قبل مسیحؑ کے روم میں پہنچ گیا۔ اس نے جس مقام اور منظر کے بارے میں سوچا تھا وہیں جا پہنچا تھا۔ یہ بالکل وہی مقام تھا کہ جب جولیس سیزر کو قتل کیا جا رہا تھا۔ اس نے یہ ہول ناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

پھر فواد نے ہر گزرے ہوئے زمانے کو دیکھا اور پیچھے ہی پیچھے لوٹتا رہا۔ اب اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ آخر یہ کیوں نہ دیکھا جائے کہ دنیا کس طرح وجود میں آئی تھی؟ انسانی زندگی کیسے شروع ہوئی؟ اسے یقین تھا کہ جب بھی جی چاہا وہ اپنے زمانے میں واپس آ جائے گا۔

اس نے اپنی مشین کا بٹن دبایا اور پانچ لاکھ برس پرانے زمانے میں پہنچنے کا تصور کیا۔ وہ افریقا کے ان تاریک جنگلوں میں جانا چاہتا تھا، جہاں اس کے خیال کے مطابق انسان کے آباؤ اجداد کا قیام تھا۔ بٹن دبنے کے چند ہی لمحے بعد بائیسویں صدی کا وہ چودہ سالہ بچہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ماضی کے اندھیروں میں گم ہو گیا۔ اس کے بڑوں نے ماضی کے سفر پر بے وجہ پابندی نہیں لگائی تھی۔ اپنے زمانے کے نونہالوں کو وہ کسی ایسے ہی پیش آنے والے حادثے سے بچانا چاہتے تھے۔

کیا فواد کسی پہاڑی سے گر کر ہلاک ہو گیا تھا؟ یا وہ کسی پرانی تہذیب کے آدم خور درندے کا شکار ہوا تھا؟ ممکن ہے آپ سوچ رہے ہوں قدیم زمانے کے کسی بن مانس نے اس کی کھوپڑی توڑ دی ہوگی۔ نہیں! ایسا نہیں تھا بلکہ وہ اپنے جسم کے ساتھ زندہ رہا تھا۔

فواد کو ایک بچہ ہونے کی وجہ سے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ قدیم زمانے میں واپس جا رہا ہے

اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کی ذہنی حالت بھی بدلتی جا رہی ہے۔ وہ پانچ لاکھ سال پرانے زمانے میں اس جگہ پہنچ گیا، جہاں بن مانس رہتے تھے۔ اس کا اپنا دماغ بھی ابتدائی زمانے کے اس آدمی کی طرح ہو گیا تھا، جو پیڑوں پر رہتا تھا اور جسے کچھ بھی معلوم نہ تھا۔

اس زمانے میں پہنچتے ہی اپنی ذہنی سطح کے مطابق فواد نے اُچھل کر پیڑ کی ایک شاخ کو پکڑ لیا اور کسی بندر کی طرح جھولتے ہوئے دوسرے پیڑ کی طرف چھلانگ لگا دی۔ ایسا کرتے ہوئے اسے بڑا مزہ آیا۔ دیر تک وہ اسی شغل میں مصروف رہا۔

بن مانسوں کے درمیان فواد وہ واحد جان دار تھا، جس نے پینٹ اور شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کی دائیں جیب میں ایک ڈبیا تھی، لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ کیا ہوتی ہے؟ اور اس کو کیسے استعمال کیا جاتا ہے۔ وہ ان وحشی گوریلوں کے درمیان گھوم رہا تھا اور گوریلے اس کے لباس کو عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۸۳ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸-نومبر ۲۰۱۴ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تاکہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جا سکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

بیت بازی

کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوت
جتنا جس کا ظرف ہے، اتنا ہی وہ خاموش ہے

شاعر: ڈاکٹر علامہ اقبال — پسند: سمیہ وسیم، سکھر

وہ کیسے لوگ تھے یارب! جنھوں نے پالیا تجھ کو
ہمیں تو ہوگیا دشوار اک انسان کا ملنا

شاعر: احمد فراز — پسند: کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری

کتنے سادہ دل ہیں، اب بھی سن کے آوازِ جرس
پیش وپس سے بے خبر گھر سے نکل جاتے ہیں لوگ

شاعر: عنایت علی شاعر — پسند: پارس احمد خان، کراچی

اے حاصلِ خلوص بتا کیا جواب دوں
دنیا یہ پوچھتی ہے کہ میں کیوں اُداس ہوں

شاعر: حنیف نیازی — پسند: سیدہ ادیبہ بتول، کراچی

کوئی ہاتھ بھی نہ ملائے گا جو گلے ملو گے تپاک سے
یہ نئے مزاج کا شہر ہے، ذرا فاصلے سے ملا کرو

شاعر: بشیر بدر — پسند: علی حیدر لاشاری، لاڑکانہ

انجان اگر ہو تو گزر کیوں نہیں جاتے
پہچان رہے ہو تو ٹھہر کیوں نہیں جاتے

شاعر: عیش برنی — پسند: شائمہ ذیشان، سکھر

کس کو پہچانوں کہ ہر پہچان مشکل ہوگئی
خود نما سب لوگ ہیں اور رونما کوئی نہیں

شاعر: شہزاد احمد — پسند: ثاقب خان جدون، ایبٹ آباد

قربتیں جتنی میسر ہوں گی
فاصلے اتنے ہی پیدا ہوں گے

شاعر: ظفر اکبر آبادی — پسند: محمد علی، لاڑکانہ

شہر کی بے چراغ گلیوں میں
زندگی تجھ کو ڈھونڈتی ہے ابھی

شاعر: ناصر کاظمی — پسند: عارف نیاز، ملتان

پہچان آدمی کی نہیں سہل آج بھی
ایک آدمی چھپا ہوا ہر آدمی میں ہے

شاعر: اثر ماہ پوری — پسند: راحیلہ غنی، لاہور

آگ پھیلی اور بستی راکھ بن کر رہ گئی
کچھ تھا موسم کا تقاضا، کچھ مقدر کی ہوا

شاعر: عرفان غالب — پسند: علی عباس، کوئٹہ

اب جو پتھر ہے، آدمی تھا کبھی
اس کو کہتے ہیں انتظار میاں!

شاعر: افضل خاں — پسند: محمد بخش، شکارپور

لا کے ماتھے پہ شکن، وقت سے سمجھوتا کیا
غم کی تاریخ کے ہم اتنے گنہگار ہوئے

شاعر: نازش حیدری — پسند: عدیل علی، نارتھ کراچی

میں نے ہر شام یہی سوچا ہے
عمر گزری ہے کہ دن گزرا ہے

شاعر: صادق نسیم — پسند: محمد رافع، کراچی

ہنسی گھر

☺ ایک دوست نے اپنے ڈاکٹر دوست سے پوچھا: ''آپ مریض دیکھتے وقت اس کی غذا کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کیا اس سے مرض کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے؟''

ڈاکٹر نے جواب دیا: ''مرض کو سمجھنے میں نہیں، اپنی فیس کا فیصلہ کرنے میں مدد ملتی ہے۔''

مرسلہ : عزیر خالد، کراچی

☺ مالک نے نوکر سے کہا: ''جو آدمی کسی کو اپنی بات نہ سمجھا سکے، وہ بے وقوف ہوتا ہے، سمجھے!''

نوکر: ''نہیں، میں بالکل بھی نہیں سمجھا۔''

مرسلہ : محمد عبداللہ ظفر، حاصل پور

☺ اسپتال کا سارا عملہ ایک شخص کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ کسی نے پوچھا: ''کیا ہوا؟ تم لوگ کیوں بھاگ رہے ہو۔''

اسپتال کے ایک ملازم نے کہا: ''یہ شخص جو سب سے آگے بھاگ رہا ہے، چوتھی بار دماغ کا آپریشن کرانے آیا ہے اور ہر بار بال کٹوا کر بھاگ جاتا ہے۔''

مرسلہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

☺ ایک کنجوس آدمی صبح اُٹھا تو دیکھا کہ اس کی بیوی مرگئی ہے۔ روتا ہوا بیٹی کے پاس باورچی خانے میں گیا اور کہنے لگا: ''بیٹی! تیری ماں اب اس دنیا میں نہیں رہی، اس کا پراٹھا مت پکانا۔''

مرسلہ : محمد عمر، اورنگی ٹاؤن، کراچی

☺ استاد: ''پپو! تمھاری تعلیم کتنی ہے؟''

پپو: ''سر! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، علم ایک زیور ہے اور زیور مردوں پر حرام ہے۔''

مرسلہ : مدیحہ رمضان بھٹہ، اوتھل لسبیلہ

☺ ''پرسوں میری بیوی کنویں میں گر گئی، بہت چوٹ لگی بہت چیخ چلا رہی تھی۔''

''اب کیسی ہے؟''

''اب ٹھیک ہے، کیوں کہ کنویں سے آواز نہیں آرہی ہے۔''

مرسلہ : حفصہ محمد طاہر قریشی، نواب شاہ

پہلا دوست: ''آج میری بکری نے انڈا دیا ہے۔''

دوسرا دوست: ''بکری کب سے انڈے دینے لگی ہے؟''

پہلے دوست نے جواب دیا: ''ہم بڑے لوگ ہیں، ہم نے اپنی مرغی کا نام بکری رکھا ہے۔''

مرسلہ : فیصل ہارون، فتح پور، لیہ

دو روحیں آسمان پر ملیں۔ ایک نے دوسری روح سے پوچھا: ''تم کیسے مرے؟''

دوسری روح نے جواب دیا: ''میرے گھر میں چور آ گیا تھا۔ وہ سیدھا باورچی خانے میں گیا، میں باورچی خانے میں گیا تو وہ غائب تھا۔ بس میں خوف سے مر گیا۔''

پہلی روح بولی: ''اگر تم ڈیپ فریزر کھول کر دیکھ لیتے تو نہ تم خوف سے مرتے اور نہ میں ٹھنڈ سے مرتا۔''

مرسلہ : اسامہ طارق، ملتان

زبیر: ''ندیم! یہ تم کیا کر رہے ہو۔''

ندیم: ''میرا پالتو توتا مر گیا ہے، اسے دفن کر رہا ہوں۔''

زبیر: ''مگر یہ تو میری پالتو بلی ہے، جسے تم گڑھے میں دبا رہے ہو۔''

زبیر اطمینان سے: ''میرا توتا اسی کے پیٹ میں ہے۔''

مرسلہ : سیدہ اریبہ بتول، کراچی

جج (ملزم سے): ''تم انکار کرتے ہو کہ تم نے مرغیاں نہیں چرائیں۔ تمھارا وکیل کہاں ہے؟''

ملزم: ''جناب! اگر وکیل ہوتا تو آدھی مرغیاں اسے دینا پڑتیں۔''

مرسلہ : ثمینہ فرخ، پنڈ دادن خان

جج (چور سے): ''دیکھو چوری کرنا کتنا بُرا کام ہے۔ تمھیں بار بار جیل جانا پڑتا ہے۔''

چور: ''جناب! کام تو بہت اچھا ہے، لیکن آپ لوگوں نے اس کا مزہ خراب کر رکھا ہے۔''

مرسلہ : محمد طارق قاسم قریشی، نواب شاہ

ایک ڈاکٹر نے دوسرے ڈاکٹر کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا: ''کمال کر دیا تم نے، صحیح وقت پر مسٹر سومرو کا آپریشن کر دیا۔ اگر ایک دن کی

بھی دیر ہو جاتی تو وہ صحت یاب ہو جاتے۔''

مرسلہ : حنا نور الدین، جگہ نا معلوم

ایک چور مکان میں داخل ہوا، تجوری پر لکھا ہوا تھا کہ دائیں بٹن کو دبائیں۔ چور نے ایسا ہی کیا تو سائرن بج اُٹھا اور چور پکڑا گیا۔

عدالت میں جج نے پوچھا: ''تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟''

چور نے کہا: ''میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ یہ دنیا بڑی دھوکے باز ہے۔''

مرسلہ : زینب ناصر، جگہ نا معلوم

سنسان سڑک پر ایک راہ گیر نے ایک صاحب کو روکا اور کہا: ''کیا آپ پانچ رپے کا سکہ عنایت کریں گے؟''

وہ صاحب بولے: ''ضرور، مگر آپ کو اس کی کیا ضرورت پڑ گئی ہے؟''

راہ گیر نے جواب دیا: ''بات یہ ہے کہ میں اور میرا ساتھی سکہ اُچھال کر یہ فیصلہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہم میں سے کون آپ کا موبائل لے گا اور کون بٹوا لے گا۔''

مرسلہ : محمد افضل انصاری، چوہنگ سٹی

ایک دوست نے دوسرے دوست سے پوچھا: ''گیارہ میں سے نو گھٹاؤ تو کتنے بچیں گے؟''

دوسرا دوست: ''تمھیں تو پتا ہے کہ میں انگریزی میں کم زور ہوں۔''

مرسلہ : نام پتا نا معلوم

مولوی صاحب (بچے سے): ''تمھارے ابو نے جو آٹھ سیب بھیجے تھے، میں آج شام ان کا شکریہ ادا کرنے تمھارے گھر آؤں گا۔''

بچہ! ''اگر آپ آٹھ کے بدلے بارہ سیبوں کا شکریہ ادا کریں گے تو میں بھی آپ کا شکریہ ادا کروں گا۔''

مرسلہ : نیہا صفوان، کراچی

پہلا طالب علم: ''مجھے انگریزی کے پروفیسر بہت پسند ہیں۔''

دوسرا طالب علم: ''کیوں؟''

پہلا طالب علم: ''وہ مجھے جماعت سے باہر نکال دیتے ہیں۔''

مرسلہ : عبدالاحد صفوان، کراچی

☆☆☆

پنکچر لگانے والے محنت کش نے سرائیکی لغت تیار کر لی

پاکستان کے شہر ڈیرہ غازی خان میں گاڑیوں میں پنکچر لگانے والے محنت کش اکبر مخمور نے ۳۳ سال کی لگاتار محنت سے ایک لاکھ سے زائد الفاظ پر مشتمل سرائیکی لغت تیار کر کے شان دار کارنامہ انجام دیا ہے۔ اکبر مخمور نے بتایا کہ میں پنکچر لگانے والی دکان پر کام کرتا ہوں۔ فارغ وقت میں لغت تیار کرتا رہتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وقت کے ساتھ ساتھ سرائیکی زبان میں دوسری زبانوں کی آمیزش تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے، خصوصاً شہری آبادی میں سرائیکی کے قدیم الفاظ نایاب ہوتے جا رہے ہیں۔ میں نے اپنی مادری زبان کو اصل حالت میں زندہ رکھنے کا فیصلہ کیا اور ڈکشنری میں نئے الفاظ کے بدلے قدیم اور اصل سرائیکی الفاظ تلاش کر کے شامل کیے۔ سرائیکی زبان کے الفاظ ہمارا قیمتی اثاثہ ہیں۔ ایک لاکھ پندرہ ہزار الفاظ پر مشتمل ڈکشنری کا مسودہ مکمل ہو چکا ہے۔ کتابی شکل میں آنے کے بعد اس سے خطے کے لوگ فائدہ اُٹھا سکیں گے۔

چین میں سائیکل چلانے پر زور

چینی حکام نے ملک میں بڑھتی ہوئی فضائی آلودگی پر قابو پانے کے لیے اپنے شہریوں پر پیدل چلنے اور سائیکل استعمال کرنے پر زور دیا ہے۔ چینی حکومت نے اپنے شہریوں کے لیے رہنما اصول جاری کیے ہیں، جو ملک میں فضائی آلودگی اور ماحول کو ہونے والا نقصان کم کرنے میں مددگار ہوں گے۔ چین میں گاڑیوں کے دھوئیں، کوئلہ جلانے اور فیکٹریوں کے دھویں کی وجہ سے فضائی آلودگی میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔

بچپن میں کھیل کود ہڈیوں کو مضبوط بناتا ہے

امریکا کی انڈیانا یونی ورسٹی میں ہونے والی ایک تحقیق میں یہ بات پتا چلی ہے کہ بچپن میں کھیل کود کی عادت بڑھاپے میں ہڈیاں ٹوٹنے سے بچاتی ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اسکولوں میں طالب علموں کے کھیل کود کی عادت اور جسمانی ورزش ان کے ہڈیوں کے حجم اور مضبوطی کو بڑھاتی ہے اور یہ چیز پوری زندگی برقرار رہتی ہے۔ تحقیق میں مزید بتایا گیا ہے کہ زندگی بھر متحرک رہنے والے افراد میں بڑھاپے کے بعد بھی یہ عمل جاری رہتا ہے اور وہ کہیں گرنے کی صورت میں ہڈیاں ٹوٹنے جیسے حادثے سے محفوظ رہتے ہیں۔ ☆

معلومات افزا

انعامی سلسلہ ۲۲۷

معلومات افزا کے سلسلے میں حسب معمول ۱۶ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم گیارہ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے گیارہ سے زیادہ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۶ جوابات صحیح دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ جوابات صحیح دیں اور انعام میں ایک اچھی سی کتاب حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔ نومبر ۲۰۱۴ء تک ہمیں مل جائیں۔ جوابات کے کاغذ پر بھی اپنا نام پتا بہت صاف لکھیں۔ ادارہ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱۔ قرآن مجید کی .... کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں ہے۔ (سورۂ بقرہ ۔ سورۂ توبہ ۔ سورۂ جن)

۲۔ زبیر بن عوام حضور اکرمؐ کے پھوپی زاد بھائی اور .... کے داماد تھے۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ ۔ حضرت عمر فاروقؓ ۔ حضرت عثمان غنیؓ)

۳۔ جامعہ عثمانیہ (حیدر آباد دکن) میں قانون، انجینیرنگ اور طب کی تعلیم .... زبان میں ہوتی ہے۔ (انگریزی ۔ فارسی ۔ اردو)

۴۔ مغل بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر کی بیٹی .... شاعرہ بھی تھی۔ (زیب النسا ۔ مہر النسا ۔ قمر النسا)

۵۔ مشہور یونانی فلسفی سقراط ایک .... کا بیٹا تھا۔ (پہلوان ۔ سنگ تراش ۔ شاعر)

۶۔ پاکستان کے مشہور طبیب و ادیب حکیم محمد سعید کو ۱۹۶۶ء میں .... دیا گیا تھا۔ (ستارۂ خدمت ۔ ستارۂ قائد اعظم ۔ ستارۂ امتیاز)

۷۔ بھارت کے سب سے پہلے گورنر جنرل .... تھے۔ (راج گوپال اچاریہ ۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن ۔ جواہر لال نہرو)

۸۔ اردو کے مشہور ناول نگار عبدالحلیم شرر کا انتقال .... میں ہوا تھا۔ (۱۹۲۶ء ۔ ۱۹۲۳ء ۔ ۱۹۴۶ء)

۹۔ محمد داؤد خاں، مشہور شاعر .... کا اصل نام تھا۔ (اختر شیرانی ۔ خاطر غزنوی ۔ ساحر لدھیانوی)

۱۰۔ سندھ کے شہر حیدر آباد کا پرانا نام .... تھا۔ (رانی کوٹ ۔ عمر کوٹ ۔ نیرون کوٹ)

۱۱۔ پاکستان کا سب سے بڑا ڈیم .... ہے۔ (منگلا ڈیم ۔ تربیلا ڈیم ۔ وارسک ڈیم)

۱۲۔ تنزانیہ کے دارالحکومت کا نام .... ہے۔ (دارالسلام ۔ ڈوڈوما ۔ لوساکا)

۱۳۔ بناسپتی گھی بنانے کے لیے .... گیس استعمال کی جاتی ہے۔ (نائٹروجن ۔ ہائیڈروجن ۔ آکسیجن)

۱۴۔ ''خمیس'' عربی زبان میں .... کے دن کو کہتے ہیں۔ (پیر ۔ منگل ۔ جمعرات)

۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ ہے: ''دل کو دل سے .... ہوتی ہے۔ (چاہ ۔ راہ ۔ خار)

۱۶۔ مشہور شاعر بشیر سیفی کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

دیکھو تو صاف گوئی کا کیسا صلہ ملا
جو بھی تھا میرا ....، وہ دشمن سے جاملا

(ساتھی ۔ ہمراز ۔ دوست)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۲۷ (نومبر ۲۰۱۴ء)

نام : ....

پتا : ....

....

....

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸-نومبر ۲۰۱۴ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام بہت صاف لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (نومبر ۲۰۱۴ء)

عنوان : ....

....

نام : ....

....

پتا : ....

....

....

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ -نومبر ۲۰۱۴ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک ہی عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکائیے۔

انگریزی کے عظیم ناول نگار چارلس ڈکنز کا ناول اردو میں

ہزاروں خواہشیں

ہر دل عزیز ادیب مسعود احمد برکاتی کا ترجمہ

ایک یتیم اور مفلس بچے کی زندگی کے ولولہ انگیز حالات، ایک مجرم اور مفرور قیدی نے اس کی مدد کی، جرائم پیشہ لوگوں کی صحبت میں رہ کر بھی اس نے بُرائی کا مقابلہ کیا، اچھے اور بُرے لوگوں کی سازشوں کے درمیان زندگی گزارنے والے ایک غریب بچے کی جرات، ہمت اور حوصلے کی جستجو سے بھری داستان۔ مسعود احمد برکاتی کے پُرکشش انداز اور بامحاورہ اردو نے اس داستان کو اور بھی دل کش بنا دیا ہے۔

۱۲۰ صفحات پر مشتمل باتصویر، دیدہ زیب ٹائٹل

قیمت : ساٹھ (۶۰) رپے

چھے مشہور ادیبوں کی دل چسپ اور حیرت انگیز کہانیاں

ننھا سراغ رساں

ننھے سراغ رساں کی عقل مندی، جنگی قیدیوں کا سرنگ بنا کر فرار، شیر کے پیٹ میں چھپے ہوئے جواہر کا کھوج، ڈاکا ڈالنے کے لیے ہوائی جہاز کا اغوا اور زوردار کہانیوں نے کتاب کو بہت دل چسپ بنا دیا ہے۔ پڑھ کر لطف اُٹھائیں۔

نئی کمپوزنگ، نئے ٹائٹل کے ساتھ چھٹا ایڈیشن

صفحات : ۸۰ قیمت : ۸۰ رپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی ۔ ۷۴۶۰۰

خواب کی تاثیر

غلام مصطفیٰ قادری

''احمد بیٹا! تمھارے متعلق شکایات آ رہی ہیں کہ تم ریحان کو بہت ستاتے ہو۔ بیٹا! ریحان پیدائشی طور پر نابینا ہے۔ تمھارا فرض ہے کہ اس کی دلجوئی کرو اور اسے تنہائی کا احساس نہ ہونے دو۔ ان کی آنکھیں بنو، اسے اپنے ساتھ پارک کی سیر کروایا کرو۔ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھے منظر اور رنگ بتایا کرو، تا کہ اس کا بھی دل بہل جائے، وہ تمھارا پڑوسی بھی ہے۔''

''جی بہت اچھا ابو!'' احمد نے وقتی طور پر جان چھڑانے کے لیے کہا۔

احمد نے باہر آ کر حسبِ عادت ریحان کو تنگ کیا: او اندھے۔''

ریحان نے آہستہ سے کہا: ''بھائی! اندھا ضرور ہوں، مگر آپ کا یوں کہنا اچھا نہیں لگتا۔''

احمد نے روکھے پن سے جواب دیا: ''زیادہ بک بک مت کرو، تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔''

ریحان نے عاجزی سے کہا: ''بھائی! آپ مجھے بتا دیں کہ آپ نے کیا دیکھا۔''

''میں کیوں بتاؤں؟'' احمد نے بدتمیزی کی۔

''مرضی ہے آپ کی، نہ بتائیں۔''

احمد نے کہا: ''گھر میں رہا کرو، چھڑی کے سہارے چلتے ہوئے بابا جی لگتے ہو۔''

ریحان کا دل کٹ گیا۔ وہ مجبور تھا۔ اگر وہ چھڑی نہ پکڑتا تو گر جاتا۔

احمد کی دیکھا دیکھی محلے کے دوسرے بچے بھی ریحان کو تنگ کرنے لگے تھے۔ ریحان نے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا۔

ریحان کے والد ایک غریب آدمی تھے اور مزدوری کرتے تھے۔ وہ ریحان کو نابینا بچوں کے اسکول میں داخل نہیں کروا سکتے تھے۔

ایک دن احمد کو ایسا لگا کہ اس کے چارسو اندھیرا ہی اندھیرا ہو۔ اس نے چیخنے کی کوشش کی، مگر آواز حلق ہی میں پھنس گئی۔

گھٹا ٹوپ اندھیرا...... ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ گھر جائے تو کیسے؟ اسے ایسا لگا کہ اس کی بینائی چھن گئی ہے۔

''کیا میں کبھی دیکھ نہیں پاؤں گا......؟'' اس نے خود سے کہا۔

''کوئی ہے......؟'' احمد نے مدد کے لیے پکارا۔ وہاں کوئی ہوتا تو اس کی آواز سنتا۔ چارسو سناٹا چھایا ہوا تھا۔

اسے رہ رہ کر خود پر پشیمانی ہو رہی تھی۔ ''کہیں یہ ریحان کا مذاق اُڑانے کی سزا تو نہیں؟''

احمد کو جھرجھری سی آ گئی اور اس کی آنکھ کھل گئی۔

جب کافی دن تک ریحان نظر نہ آیا تو احمد کو فکر ہوئی۔ اس نے ریحان سے ملنے کا فیصلہ کیا اور ریحان کے گھر جا کر دستک دی۔ دروازہ ریحان کی امی نے کھولا۔ دروازے پر احمد کو کھڑے پا کر ان کا دل چاہا کہ احمد کو کھری کھری سنائیں، کیوں کہ اسی کی وجہ سے ریحان اُداس رہنے لگا تھا اور گھر سے نکلنا بند کر دیا تھا۔ اس کے باوجود وہ نرمی سے بولیں: ''اندر آ جاؤ بیٹا! ریحان سے ملنے آئے ہو نا؟''

''جی خالہ! وہ گھر پر ہے کیا؟''

''ہاں، وہ گھر پر ہی ہے۔ باہر جا کر کیا اسے اپنا مذاق اُڑوانا ہے!''

احمد کو اس طنزیہ جملے سے بڑی شرمندگی ہوئی۔

''خالہ جی! معافی چاہتا ہوں۔ میں ریحان سے ملنے آیا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی زیادتیوں کی معافی مانگ کر اسے اپنا دوست بنا لوں اور اسے اپنے ساتھ اسکول لے جایا کروں۔ میں اسے نابینا بچوں کے اسکول میں داخلہ دلوانے کی کوشش بھی کروں گا۔''

''ارے واہ، یہ تبدیلی کیسے آ گئی؟'' انھوں نے حیران ہو کر پوچھا۔

احمد نے اپنے دیکھے ہوئے اس خواب کا تذکرہ کیا جو اس نے چند دن پہلے دیکھا تھا۔ خواب میں اسے ایسا لگا کہ وہ سچ مچ اندھا ہو گیا ہے۔

''خالہ جی! میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ریحان کو نہیں ستاؤں گا۔ آخر وہ بھی میری طرح ہے، بس فرق اتنا ہے کہ اسے دکھائی نہیں دیتا۔''

ریحان کی امی نے اسے آواز دی: ''ریحان بیٹا! مبارک ہو، احمد کو سیدھا راستہ نظر آ گیا ہے۔''

ریحان چھڑی کے سہارے کمرے میں آیا تو احمد اُٹھ کر اس کے گلے لگ گیا۔

''مجھے معاف کر دو۔'' احمد بلک پڑا۔

''مجھے شرمندہ مت کرو۔'' ریحان نے مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اب تم میرے ساتھ اسکول جایا کرو گے اور پارک کی سیر کے لیے بھی۔''

اگلے دن احمد، ریحان کا ہاتھ پکڑ کر اسے اسکول لے گیا۔ پرنسپل صاحب کے آفس میں احمد نے ریحان کے سلسلے میں بات کی۔ انھوں نے احمد کو بتایا: ''حکومت نے نابینا افراد کے لیے مفت تعلیمی ادارے اور مفت ٹرانسپورٹ کی سہولت اور ان کے لیے دیگر

سہولتیں مہیا کی ہیں۔ اسکول اگر دور ہو تو ہوسٹل کی سہولت بھی حکومت مفت فراہم کرتی ہے۔

آپ کے ابو اس سلسلے میں آپ کی رہنمائی اور مدد کریں گے۔''

شام کو ابو گھر آئے تو احمد نے انھیں پرنسپل صاحب سے ملاقات کی تفصیل بتائی۔

''اچھا تو یہ بات ہے۔ تم ایسا کرو کہ ریحان کے ابو سے اجازت لے لو پھر ہم ریحان کو نابینا بچوں کے اسکول میں داخل کروا آتے ہیں۔''

ریحان کے ابو کو اور کیا چاہیے تھا۔ انھوں نے خوشی خوشی اجازت دے دی، مگر ریحان کی امی اُداس ہو گئیں۔

''خالہ جی! آپ بے فکر رہیں۔ ریحان ایک دن بڑا آدمی بن کر آپ کا سہارا بنے گا۔ ریحان کو نابینا بچوں کے اسکول میں داخلہ مل گیا۔ اپنی قابلیت کے بل بوتے پر اس نے اعلا تعلیم حاصل کر لی اور چند سال بعد ایک اعلا عہدے پر فائز ہو گیا۔

احمد اس دن بہت خوش تھا۔ اس کی محنت رنگ لائی تھی۔ ریحان کی امی احمد کی نہایت شکر گزار تھیں کہ اگر احمد ان کی مدد نہ کرتا تو شاید ریحان آج ان پڑھ ہوتا۔

''بیٹا! میں تمھارا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔'' ریحان کی امی نے تشکر بھرے لہجے میں کہا۔

''خالہ جی! اللہ کا شکر ادا کریں کہ ریحان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔''

''شکریہ بھائی جان!'' ریحان نے مسکرا کر کہا تو احمد نے اسے گلے لگا لیا۔

☆☆☆

ملالہ یوسف زئی

سیدہ نقوی

''گل مکئی'' کے نام سے لکھنے والی ایک حوصلہ مند نوعمر لڑکی ہے۔ اس لڑکی نے دنیا کو تعلیم کی اہمیت بتانے کے لیے بی بی سی اردو پروگرام کے ذریعے سے اپنے خیالات کو پھیلانے کے لیے یہ نام اختیار کیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ علم دشمن لوگوں سے دنیا واقف ہو جائے۔ اس نوعمر لڑکی کا نام ملالہ یوسف زئی ہے۔

ملالہ کی ڈائری نے دنیا کو اس ابتر صورتِ حال سے صحیح معنوں میں آگاہ کیا، جس سے سوات سمیت پاکستان کے شمالی علاقوں کے عوام دوچار تھے، کیوں کہ یہ میڈیا کی رپورٹ نہیں، ایک معصوم اور حالات سے متاثرہ بچی کے سچے جذبات اور کھرے الفاظ تھے۔ جلدی ہی ملالہ اپنی تحریر سے ملکی اور غیر ملکی میڈیا کی توجہ کا مرکز بن گئی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ملالہ کی زندگی کو لاحق خطرات میں بھی اضافہ ہو گیا۔

ملالہ کے والد ضیاء الدین یوسف زئی ایک ماہرِ تعلیم ہیں اور مینگورہ میں ایک اسکول چلاتے تھے، لیکن وادی میں چند برسوں سے دہشت کی کارروائیوں سے وہ بھی پریشان تھے۔ ان کی کم عمر بیٹی کو اپنے

باپ کی طرح علم پھیلانے کا بچپن سے ہی شوق تھا اور اس کم عمری میں ہی وادی میں امن اور تعلیم نسواں کی مہم چلانے پر ملالہ کو ایک ادارے کی طرف سے نقد انعام بھی ملا تھا۔ ملالہ کی الماری میں بہت سے طلائی تمغے اس کی صلاحیتوں کا منھ بولتا ثبوت ہیں۔

گیارہ اکتوبر کی روشن صبح پاکستانیوں کے لیے خوشی کا پیغام لے کر آئی، کیوں کہ ہر طرف میڈیا سے یہ خبر پھیل گئی کہ سوات کی خوب صورت وادیوں سے تعلق رکھنے والی سترہ سالہ ملالہ یوسف زئی کو امن کا نوبیل انعام دیا گیا ہے۔

''نوبیل امن انعام'' حاصل کر کے ملالہ نے پاکستان کا نام روشن کرنے کے ساتھ ساتھ وطن کے حالات پر افسردہ پاکستانیوں کے دل خوشی سے بھر دیے۔ پاکستان کی پہچان بن جانے والی یہ بچی عزم و حوصلے کی ایک روشن مثال ہے۔ اس بین الاقوامی ایوارڈ نے دنیا بھر میں پاکستان کی طرف سے ایک نیا پیغام پہنچایا۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں تعلیم اور امن کے پھیلاؤ کی خواہش رکھنے والوں کی یہ شان دار فتح کا اعلان تھا اور پاکستان کے روشن مستقبل کے لیے اُمید کی کرن بھی۔

پاکستان کی شان بڑھانے والی ملالہ یوسف زئی نے اس سے پہلے بھی کئی بین الاقوامی اعزازات حاصل کیے ہیں۔ ملالہ یوسف زئی کو امن کا نوبیل انعام دیے جانے کی عظیم الشان تقریب اوسلو میں ۱۰ دسمبر ۲۰۱۴ء کو منعقد ہوگی۔

ملالہ کی خود نوشت سوانح عمری ''I AM MALALA'' اکتوبر ۲۰۱۳ء میں شائع ہوئی تھی، جس میں اس نے اپنی زندگی کے واقعات بیان کیے ہیں۔ ان دنوں ہی اس کے نام سے ایک فنڈ قائم کیا گیا، جس کا مقصد دنیا بھر میں بچوں کی تعلیم کا فروغ ہے۔

ملالہ کا کہنا ہے: ''ایک بچہ، ایک استاد، ایک کتاب اور ایک قلم دنیا بدل سکتا ہے۔''

یعنی انتہا پسندی سے لڑنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ نئی نسل کو تعلیم یافتہ بنا دیا جائے۔ ☆

آئیے مصوری سیکھیں

غزالہ امام

مصوری کے بہت سے طریقے ہیں۔ ان میں ایک آسان طریقہ مکمل اور نصف دائرے والا ہے۔ نمونے کے طور پر یہاں ایک بطخ کے بچے کی ڈرائنگ دکھائی گئی ہے۔ یہ تصویر دائروں اور نصف دائروں کی مدد سے بنائی گئی ہے۔ بطخ کے بچے کے سر میں تین دائرے ہیں اور باقی جسم دو نصف دائروں سے بنایا گیا ہے۔ دُم اور چونچ بنانے کے لیے نصف دائروں کو درمیان سے کاٹا گیا ہے۔ اسی طرح آپ مزید ڈرائنگ بھی بنا سکتے ہیں۔ ☆

دفاعِ وطن اور تعلیم

ہمدرد نونہال اسمبلی کراچی میں محترمہ سعدیہ راشد انعام یافتہ نونہالوں کے ساتھ

ہمدرد نونہال اسمبلی کراچی

رپورٹ : راحت عائشہ

ہر سال ۶ ستمبر کا دن ہمیں اس دن کی یاد دلاتا ہے جب رات کی تاریکی میں پاکستان پر حملہ کر دیا گیا تھا۔ تب پاکستانی عوام، افواجِ پاکستان کے ساتھ سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے اور مخالف کو منھ توڑ جواب دیا تھا۔

ہمدرد نونہال اسمبلی کا موضوع بھی اسی مناسبت سے "دفاعِ وطن اور تعلیم" تھا۔ اجلاس میں مختلف اسکولوں کے بے شمار نونہالوں نے شرکت کی۔ تلاوتِ کلام پاک نونہال

حافظہ آمنہ خالد نے اور نعتِ رسولِ مقبولؐ نونہال بلال غنی نے پیش کی۔ اسمبلی کی اسپیکر مریم اکبر تھیں۔ قائدِ ایوان نونہال حافظہ عروبہ فاطمہ اور قائدِ حزبِ اختلاف نونہال عبید الرحمٰن تھے۔ نونہال مقررین میں ثمرہ سمیع، سعد عمر اور نبیحہ قمر شامل تھے۔

قومی صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد صاحبہ نے نونہالوں سے خطاب کرتے ہوئے انھیں بہتر تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اور اپنے وطن سے محبت کے جذبے کو فروغ دینے کی تلقین کی۔ تقریب کے مہمانِ خصوصی محترم جنرل (ر) معین الدین حیدر تھے۔ انھوں نے نونہالوں کو تعلیم سے حاصل ہونے والے فوائد سے آگاہ کیا اور یومِ دفاع کا ذکر کرتے ہوئے پاک فوج سے یکجہتی کا اظہار کیا۔

نونہالوں شنیل شفقت، ثمن نعیم، وانیہ شاہد اور اُمِ ایمن نے ملی نغمے پیش کیے۔

ہمدرد ولیج اسکول کے نونہالوں نے ایک خوب صورت ٹیبلو پیش کیا۔ یونیک اسٹار سکینڈری اسکول کے نونہالوں نے دفاعِ وطن سے متعلق ٹیبلو پیش کیا۔ دعاے سعید کے بعد آخر میں محترمہ سعدیہ راشد نے نونہالوں کو انعام سے نوازا۔

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی .... رپورٹ : حیات محمد بھٹی

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی کے اجلاس میں مہمانِ خصوصی معروف ماہرِ تعلیم و دفاعی امور محترم بریگیڈیئر (ر) ملک منظور تھے۔ معروف براڈ کاسٹر، اسکالر ماہرِ اقبالیات اور رکنِ شوریٰ ہمدرد محترم نعیم اکرم قریشی نے بھی خصوصی شرکت کی۔ اس بار موضوع تھا: ''دفاعِ وطن اور تعلیم''

اسپیکر اسمبلی نونہال عامرہ حفیظ تھیں۔ قرآنِ مجید کی تلاوت و ترجمہ یمنیٰ عمران

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی میں شریک بریگیڈیئر (ر) ملک منظور، محترم نعیم اکرم قریشی اور نونہال مقررین

نے، حمدِ باری تعالیٰ حدید حبیب نے اور ہدیۂ نعت فیضان جاوید اور علیزہ طاہر نے پیش کیا۔ نونہال مقررین میں ثاقب صدیق، اریج یعقوب، عیشا سحر، رمشا اور نوریا ایمان شامل تھے۔

قومی صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد نے نونہالوں کے نام اپنے پیغام میں کہا کہ کسی بھی ملک کی بقا اور سلامتی کا راز اس کی دفاعی صلاحیتوں میں چھپا ہوتا ہے۔ آج کا ہر باشعور شخص یہ بات بہت اچھی طرح جانتا ہے کہ دفاعِ وطن صرف جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک جامع نظام ہے۔ تعلیم کا فروغ، سائنس اور ٹیکنالوجی میں تیز رفتار ترقی، بیرونی قرضوں سے نجات، خود انحصاری، اندرونی استحکام اور امن وامان کی بحالی، یہ سب دفاعِ وطن کے مختلف محاذ ہیں۔ نونہالوں اور جوانوں کا محاذ

دورِ جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ تمام علوم وفنون میں دسترس حاصل کرنا ہے۔

محترم نعیم اکرم قریشی نے کہا کہ ہمارے موجودہ مسائل کی وجہ تعلیم سے دوری ہے۔ ہر شعبۂ زندگی میں تعلیم کی اہمیت مسلم ہے، جو شعور کی بدولت ہی ممکن ہے۔ دورِ جدید میں دنیا کے ساتھ چلنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم دورِ جدید کے علوم پر توجہ دیں۔ نبی کریمؐ نے اپنے لیے جو لقب پسند فرمایا وہ ''معلمِ اعظم'' تھا۔ ہمیں مشاہیرِ اسلام کی پیروی کرنی ہوگی۔

محترم بریگیڈیئر (ر) ملک منظور نے کہا کہ موجودہ دور میں بھی تعلیم کی اہمیت وافادیت مسلم ہے۔ ۱۹۷۳ء میں مصر، اسرائیل جنگ میں مصر نے اسرائیل پر صرف اس وجہ سے فتح پائی کہ میزائل آپریٹر پڑھے لکھے تھے۔ ہم آج اقوامِ عالم سے اس لیے پیچھے ہیں کہ جب دنیا میں عظیم یونی ورسٹیاں تعمیر ہو رہی تھیں ہمارے مغل شہنشاہوں نے محلات اور مقبرے تعمیر کرائے۔ تعلیم کے سلسلے میں دو چیزیں اہم ہیں، ان میں سے ایک والدین کو تعلیم کا شعور ہو، دوسرے اساتذۂ کرام کی محنت بھی شامل ہو۔ اس کے بعد اسکول اور کالج کا ماحول ہوتا ہے۔ وہاں ماحول ایسا نہ ہو کہ طلبہ اسے ایک قید خانہ تصور کر کے اپنا وقت پورا کریں، بلکہ اسے ایک دل چسپ، مل بیٹھنے اور سیکھنے کی جگہ سمجھیں۔ درس گاہ وہ جگہ ہے، جہاں والدین اپنا بہترین اثاثہ بھیجتے ہیں اور وہاں اساتذہ ان پتھروں کو تراش کر ہیرا بناتے ہیں۔

اس موقع پر نونہالوں نے کلامِ اقبال بھی پیش کیا۔ اجلاس کے اختتام پر نونہالوں میں انعامات تقسیم کرنے کے بعد دعاے سعید پیش کی گئی۔

☆☆☆

نقوش سیرت

اچھی اور پاکیزہ زندگی گزارنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی ہمارے لیے اسوۂ حسنہ کا اعلا نمونہ ہے۔ شہید حکیم محمد سعید نے پانچ حصوں پر مشتمل اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کے مختلف واقعات نہایت آسان اور دل نشین انداز میں لکھے ہیں۔

پانچ کتابوں کا سیٹ بچوں کے لیے ایک بہترین تحفہ ہے

اردو ایڈیشن : مکمل سیٹ ۸۳ روپے

سندھی ایڈیشن : مکمل سیٹ ۴۰ روپے

عربی زبان کے دس سبق

مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی نے صرف دس اسباق میں عربی زبان سیکھنے کا نہایت آسان طریقہ لکھا ہے، جس کی مدد سے عربی زبان سے اتنی واقفیت ہو جاتی ہے کہ قرآنِ حکیم سمجھ کر پڑھ لیا جائے۔

اس کے علاوہ کتاب میں رسالہ ہمدرد نونہال میں شائع شدہ عربی سکھانے کا سلسلہ

عربی زبان سیکھو

بھی شامل ہے، جس سے کتاب زیادہ مفید ہو گئی ہے۔

عربی سیکھ کر دین کا علم حاصل کیجیے

۹۶ صفحات، خوب صورت رنگین ٹائٹل۔ قیمت صرف پچھتر (۷۵) روپے

ملنے کا پتا: ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، الجید سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی ۔ ۷۴۶۰۰

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

سیدہ اریبہ بتول، کراچی
دریشہ شکیل، کراچی
کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی
عائشہ ناصر، کراچی
سیدہ کوثر بانو رضوی، کراچی
سیدہ مبین فاطمہ عابدی، پنڈ دادن خان
محمد احتشام کاظم، شیخو پورہ
ولید بن خلیل، کراچی
بیبگر بہار، مکران، بلوچستان

برابری

سیدہ اریبہ بتول، کراچی

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو شان و شوکت کی زندگی سے سخت نفرت تھی۔ آپ محنت مشقت کر کے روزی کماتے اور سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ جب آپؓ مسلمانوں کے خلیفہ ہو گئے تب بھی آپؓ کی سادگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ ایران، مصر اور شام جیسے ممالک اسلامی سلطنت کا حصہ بن چکے تھے، مگر اتنی بڑی سلطنت کے حاکم بن کر بھی حضرت علیؓ نے اپنے لیے کوئی محل نہیں بنوایا اور نہ خدمت کے لیے نوکروں کی فوج رکھی۔

ایک سال عید نزدیک آئی تو حضرت علیؓ اپنے خادم کو ساتھ لے کر بازار گئے اور دو جوڑے خریدے۔ ایک جوڑا معمولی کپڑے کا تھا اور دوسرا ذرا اچھے کپڑے کا تھا۔ عید کی صبح نہا دھو کر خدّام نے معمولی کپڑے کا سوٹ پہن لیا۔ حضرت علیؓ نے دیکھا تو کہا: ''تم نے میرا لباس کیوں پہن لیا؟''

خادم نے جواب دیا: ''میں نے تو اپنا ہی لباس پہنا ہے، کیوں کہ یہ معمولی کپڑے کا ہے۔''

حضرت علیؓ نے فرمایا: ''معمولی کپڑے کا جوڑا تو میں نے اپنے لیے خریدا تھا۔

تمھارا جوڑا دوسرا ہے، کیوں کہ تم جوان ہو اور میں بوڑھا۔''

سردی آئی

مرسلہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

سردی آئی ، سردی آئی
ٹھنڈی ٹھنڈی سب کو بھائی
ٹوپی لائی ، موزے لائی
سویٹر لائی ، کپڑے لائی
اُٹھو بیٹا ، آنکھیں کھولو
ہاتھ اور منہ کو جلدی دھو لو
ٹھنڈک ہے اب دیکھو بیٹا!
ٹوپی موزے لے لو بیٹا!
سردی سے تم مت گھبرانا
مکتب سے تم مت کترانا

اقبال ایک عظیم شاعر

سیدہ کوثر بانو رضوی، کراچی

علامہ اقبال ۹ نومبر کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر میں حاصل کی۔ ۱۸۹۵ء میں وہ گورنمنٹ کالج لاہور آ گئے۔ ۱۸۹۹ء میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور پنجاب یونی ورسٹی سے اسی سال پروفیسر منتخب ہوئے۔ وہ اورینٹل کالج لاہور میں اس نوکری پر ۱۹۰۵ء تک رہے۔ اسی سال اعلا تعلیم کے لیے لندن چلے گئے۔ لندن میں قانون کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۰۸ء میں انھوں نے فارسی فلسفے میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ان کی شاعری کی ابتدا بچپن ہی سے ہوگئی تھی۔ بعد میں اقبال شاعری کے آسمان پر ایسے چمکے کہ کوئی ان کا ثانی نہ رہا۔

علامہ اقبال نے جہاں بڑی عمر کے لوگوں کو اپنے اندر خودداری اور بلند ارادے رکھنے اور ان پر عمل کرنے کا مشورہ دیا، وہاں اپنی قوم کے بچوں کو بھی نہیں بھولے۔ انھوں نے بچوں کے لیے بے شمار نظمیں لکھی ہیں۔ ان میں ایک نظم ''بچے کی

دعا'' بھی ہے جسے اکثر اسکول شروع ہونے سے پہلے بچے مل کر پڑھتے ہیں۔ یہ نظم ہر طالب علم کو زبانی یاد ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری سے سوئے ہوئے مسلمانوں کو بیدار کیا۔ ۱۹۱۵ء میں پہلی بار شاعرانہ تصنیف مثنوی ''اسرارِ خودی'' منظر عام پر آئی۔ ۱۹۱۸ء میں اسرارِ خودی کا دوسرا حصہ ''رموزِ بے خودی'' شائع ہوا۔ ۱۹۲۳ء میں دوسرا فارسی مجموعۂ کلام ''پیامِ مشرق'' شائع ہوا۔

۱۹۲۴ء میں پہلا اردو مجموعۂ کلام ''بانگِ درا'' منظر عام پر آیا۔ ۱۹۲۷ء میں فارسی شاعری ''زبورِ عجم'' کے نام سے شائع ہوئی۔ اردو مجموعۂ کلام ''بالِ جبریل'' ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا۔

اقبال کو اپنی قوم سے بے حد محبت تھی۔ وہ اپنی قوم کو عظیم قوم بنانا چاہتے تھے۔ وہ روزانہ صبح کو اُٹھ کر باقاعدگی سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے۔ وہ سچے عاشقِ رسولؐ تھے۔

علامہ کا کہنا تھا کہ انسانیت کا احترام اور انسانوں کی خدمت بہت بڑی نیکی ہے۔ سچی عبادت وہی ہے جس میں انسانیت کی قدر کی جائے۔ ایک انسان سے محبت کی جائے، چاہے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ ان کے دل میں انسانیت کے لیے احترام تھا۔

نونہال آج سے پکا عہد کرلیں کہ ہم اپنے قومی شاعر علامہ اقبال کی بات پر عمل کر کے اچھے انسان بنیں گے تو یقین جانیے آپ کی تمام مشکلیں حل ہو جائیں گی اور آپ اپنی دنیا کے جہنم کو جنت میں بدل دیں گے۔

انسانیت کا راستہ

محمد احتشام کاظم، شیخوپورہ

اسلم اور اصغر دونوں بھائی تھے۔ بڑے بھائی اسلم کا اپنا کاربار تھا، جب کہ اصغر انجینئر تھا۔ اسلم دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھتا تھا، لیکن اصغر میں انکساری اور ہمدردی کا جذبہ تھا۔

سڑک پر گاڑیاں تیزی سے گزر رہی تھیں۔ اچانک ایک نوجوان لڑکا ایک کار کی زد میں آ گیا۔ ڈرائیور نے بریک لگانا چاہا، مگر قسمت کا لکھا پورا ہو کر رہتا ہے۔

اسلم نے تکبّر بھرے انداز میں کہا: ''ہمیں اس سے کیا غرض، جلدی کرو، ہمیں دیر ہو رہی ہے۔''

''بہتر جناب!'' ڈرائیور نے گاڑی چلانا شروع کر دی۔ اتفاق سے اسلم کا بھائی اصغر بھی اسی سڑک سے گزر رہا تھا۔ لوگوں کا ہجوم دیکھ کر ڈرائیور سے کہا: ''گاڑی روکو جلدی کرو۔''

ڈرائیور نے گاڑی فوراً روک لی۔ اصغر لوگوں کو ہٹاتا ہوا ہجوم میں داخل ہو گیا۔ زخمی کی حالت تشویش ناک تھی۔ زخمی کے گرد لوگوں کا ہجوم لگا ہوا تھا۔ کار کے نیچے آنے والا لڑکا ایک خوب صورت نوجوان تھا اور شکل وصورت سے کھاتے پیتے گھرانے کا لگ رہا تھا۔ خدا ترسی اور رحم دلی اصغر میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ دوسرے لوگوں کے کام آتے ہوئے وہ عجیب سی خوشی محسوس کرتا تھا۔ لوگوں کو ہٹا کر اصغر جب زخمی کے قریب پہنچا تو اس کا رنگ فق ہو گیا، کیوں کہ زخمی ہونے والا اس کا بھتیجا یعنی اسلم کا بڑا بیٹا عمیر تھا۔

لوگوں کے بتانے سے اسے پتا چلا کہ ایک کار والے نے اسے ٹکر ماردی ہے اور خود کار لے کر بھاگ گیا ہے۔ اصغر نے جلدی سے اسے اُٹھایا، کار کی پچھلی نشست پر لٹا دیا اور فوراً اسپتال لے گیا۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ اس کا خون بہت زیادہ بہ چکا ہے۔ ہم اپنی پوری کوشش کریں گے اللہ فضل کرے۔

اصغر نے بھائی کو فون کیا: ''عمیر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور اسے کافی گہری چوٹیں آئی ہیں۔ خون بہت زیادہ بہ چکا ہے

جتنی جلدی ہو سکے آپ اسپتال آ جائیں۔''

''کیا؟ میرے بیٹے عمیر کا ایکسیڈنٹ! میں ابھی آیا۔'' اسلم نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

''سر! میرے خیال میں ہماری گاڑی سے ٹکرانے والا عمیر ہی تھا۔'' ڈرائیور نے اسلم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے کیا پتا تھا کہ وہ میرا ہی بیٹا ہے۔ یا اللہ! میرے بیٹے کو بچا لے۔ میں اپنے بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگتا ہوں۔''

آج زندگی میں پہلی بار اسے دکھ اور تکلیف کا احساس ہوا تھا۔ اسپتال پہنچ کر اسلم جلدی سے گاڑی سے نکلا اور بھاگتا ہوا اندر چلا گیا: ''کہاں ہے میرا بیٹا، کس حال میں ہے وہ، میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔'' اسلم نے ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ دیا۔

''بھائی جان! صبر سے کام لیں، جو اللہ کو منظور ہو گا وہی ہو گا۔'' اصغر نے اسلم کو دلاسا دینے کی بھرپور کوشش کی۔

''بھائی صاحب! لڑکے کا خون بہت زیادہ بہہ چکا ہے۔ خون کی ضرورت ہے جلدی کریں اور خون کا انتظام کریں ہمارے پاس اس کے بلڈ گروپ کا خون نہیں ہے۔'' ڈاکٹر نے اپنی بات مکمل کی تو اسلم فوراً بول اُٹھا: ''میرا بلڈ گروپ اس کے بلڈ گروپ سے ملتا ہے۔ جلدی کریں میرا خون لے کر اسے لگائیں۔'' اسلم نے اپنا دو بوتل خون نکلوا کر اپنے بیٹے کی جان بچالی تھی۔ اس حادثے کے بعد اسلم مکمل تبدیل ہو گیا تھا۔ وہ انسانیت سے محبت کرنے والا بن چکا تھا اور یہ صرف اصغر کی نیکی کی وجہ سے ہوا تھا۔ اسلم آج سمجھ چکا تھا کہ خدا اُنھیں پسند کرتا ہے جو اس کے بندوں سے محبت کریں۔

بُرائی کا انجام

وریشہ شکیل شیخ، کراچی

ایک مینڈک بہت ہی بدتمیز تھا۔ ایک

چوہے سے اس کی دشمنی تھی۔ ایک دن اس نے چوہے کو مارنے کے لیے ایک چال چلی۔ چوہے سے بہت پیار سے کہا: ''آؤ ہم لوگ دشمنی ختم کر کے پکی دوستی کرلیں۔''

چوہے نے پوچھا: ''پکی دوستی کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

مینڈک نے کہا: ''ایک رسی لے کر تم اپنے پیر میں باندھ لو، اسی رسی کا دوسرا سرا میں اپنے پیر میں باندھ لیتا ہوں۔ اس طرح ہم دونوں دوست ہر وقت ساتھ ساتھ رہیں گے۔''

چوہا بے چارہ بہت معصوم تھا۔ اس نے اپنے پیر میں رسی کا ایک سرا باندھ لیا۔ چالاک مینڈک نے رسی کا دوسرا سرا اپنے پیر میں باندھ لیا۔

اب چالاک مینڈک دوڑتے ہوئے تالاب کی طرف بھاگا اور تالاب میں چھلانگ لگادی۔ چوہے کے پاؤں میں بندھی رسی کی وجہ سے وہ بھی مینڈک کے ساتھ تالاب میں گر گیا اور مدد کے لیے چیخنے لگا۔ چوہے کی چیخ سن کر مینڈک ہنستا رہا اور تالاب میں چھلانگیں لگاتا رہا۔ آخر چوہا ڈوب کر مر گیا۔

اُسی وقت مرے ہوئے چوہے پر چیل کی نظر پڑی اور وہ جھپٹ کر چوہے کو پانی سے اُٹھا کر ایک درخت پر بیٹھ گئی۔ رسی بندھی ہونے کی وجہ سے زندہ مینڈک بھی پکڑا گیا۔ مینڈک چیختا چلاتا رہا کہ مجھے چھوڑ دو، لیکن چیل پر مینڈک کے چیخنے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ چوہے کو کھانے کے بعد چیل مینڈک کو بھی مار کر کھا گئی۔

آزادی

عائشہ ناصر، کراچی

آزادی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ ہم ایک آزاد ملک کے رہنے والے ہیں۔ یہ آزادی ہمیں بہت قربانیوں کے بعد ملی

ہے۔ ہمارے عظیم رہنما قائد اعظم محمد علی جناح اور ان کے کئی ساتھیوں نے دن رات انتھک محنت سے یہ وطن حاصل کیا۔ یہ ان سب کی جدو جہد ہے،جس کی وجہ سے ہم آج ایک آزاد ملک میں رہ رہے ہیں۔

آج کل ہمیں بہت سی مشکلات کا سامنا ہے جیسے غربت ، منہگائی ، بے روز گاری وغیرہ۔تعلیم کے شعبے میں بھی ہم بہت پیچھے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں دن رات محنت کرنی چاہیے۔ہمیں اس آزادی کی قدر کرتے ہوئے قائداعظم کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلنا چاہیے۔

اچھا اخلاق

سیدہ مبین فاطمہ عابدی، پنڈ دادن خان

ناصر الدین ہندستان کا ایک مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ وہ بہت نیک اور ایک سادہ مزاج بادشاہ تھا۔اپنے لیے سرکاری خزانے سے ایک روپیہ تک نہ لیتا تھا، بلکہ اپنا اور اپنے گھر والوں کا پیٹ پالنے کے لیے اس نے خوش نویسی کا پیشہ اختیار کیا۔ وہ قرآن مجید اور دوسری کتابیں لکھ کر اپنے اخراجات پورے کرتا تھا۔

ایک بار کوئی سرکاری اہلکار ان سے ملاقات کے لیے آیا۔ بادشاہ نے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن کریم کا نسخہ اسے دکھایا۔ وہ سرکاری اہلکار اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے تھوڑی دیر دیکھنے کے بعد کہا کہ اس میں کچھ غلطیاں ہیں، انھیں درست کر لیجیے گا۔ناصر الدین بادشاہ نے بُرا نہیں منایا، بلکہ مسکراتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا اور جن غلطیوں کی نشان دہی اس نے کی تھی اس پر نشان لگا دیے کہ بعد میں درست کر لی جائیں گی۔

اس اہلکار کے جانے کے بعد بادشاہ نے تمام نشانات مٹا دیے۔درباریوں نے اس بات کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا: ”حقیقت میں کوئی غلطی نہ تھی، مگر میں اپنے مہمان کو شرمندہ

نہیں کرنا چاہتا تھا، اس لیے اس کے سامنے نشان لگا دیے۔ اب انھیں مٹا رہا ہوں۔''

لوگ بادشاہ کی خوش اخلاقی دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور حیران تھے کہ اتنے عظیم بادشاہ نے ایک چھوٹے سے اہلکار کی دلجوئی کے لیے اتنے زبردست اخلاق کا مظاہرہ کیا ہے۔

چوہا، کیکڑا اور بھنورا

تحریر : رچرڈ آسٹن

انتخاب : ولید بن خلیل، کراچی

میں ایک کسان کے ہاں نوکر تھا۔ جب نوکری کو ایک سال ہو گیا تو کسان نے مجھے ایک اشرفی دی۔ میں اشرفی لے کر کنویں پر گیا اور اشرفی کنویں میں پھینکتے ہوئے کہا: ''میں نے اپنے آقا کی خوب خدمت کی ہے۔ اگر میں سچا ہوں تو یہ اشرفی پانی کے اوپر تیرے گی، جھوٹا ہوں تو یہ پانی میں ڈوب جائے گی۔''

اشرفی پانی میں ڈوب گئی۔

میں واپس کسان کے پاس آیا اور ایک سال اور کام کرنے کے لیے کہا۔ جب ایک سال گزر گیا تو کسان نے پھر مجھے ایک اشرفی دی۔ میں نے اسے بھی کنویں میں پھینکتے ہوئے کہا: ''میں نے اپنے آقا کی پہلے سے زیادہ خدمت کی ہے۔ اگر میں سچا ہوں تو یہ اشرفی پانی میں تیرے گی، جھوٹا ہوں تو یہ پانی میں ڈوب جائے گی۔''

اشرفی پانی میں ڈوب گئی۔

میں پھر کسان کے پاس گیا اور اس سے ایک سال اور کام کرنے کی اجازت چاہی۔ جب ایک سال گزر گیا تو کسان نے پھر مجھے ایک اشرفی دی۔ میں نے اس اشرفی کو پھر کنویں میں پھینک دیا اور کہا: ''میں نے اپنے آقا کی حد سے زیادہ خدمت کی ہے۔ اگر میں سچا ہوں تو یہ اشرفی پانی کے اوپر تیرے گی، جھوٹا ہوں تو یہ پانی

میں ڈوب جائے گی۔''

اس دفعہ تینوں اشرفیاں پانی کی سطح پر اُبھر آئیں۔ میں نے تینوں اشرفیاں اُٹھا کر جیب میں رکھ لیں اور گھر کی طرف چل دیا۔ میں نے سوچا کہ ایک اشرفی کا اناج لوں گا، ایک اشرفی گوشت ترکاری کے کام آئے گی اور ایک اشرفی کے کپڑے بنالوں گا۔ ذرا آگے گیا تو ایک چوہا مل گیا۔ وہ کہنے لگا: ''دوست! مجھے ایک اشرفی دے دو۔ بہت سخت ضرورت ہے اس کے بدلے میں جو کہو میں کرنے کو تیار ہوں۔''

میں نے اپنے دل میں کہا کہ چلو، میں دو اشرفیوں سے کام چلا لوں گا۔ اس بے چارے کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔ میں نے ایک اشرفی چوہے کو دے دی اور آگے چل دیا۔

کچھ دور جا کر ایک کیکڑا ملا۔ اس کا بُرا حال تھا۔ وہ رو کر کہنے لگا: ''خدا کے لیے میری مدد کرو مجھے بنیے کو ایک اشرفی دینی ہے۔ اگر میں نے اس کا قرض ادا نہیں کیا تو وہ مجھے جیل بھجوا دے گا۔''

مجھے کیکڑے پر بہت ترس آیا۔ میں نے ایک اشرفی اسے دے دی۔ اس نے میرا بہت شکریہ ادا کیا اور کہا: ''تمھیں جب کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتانا۔''

اب میرے پاس صرف ایک اشرفی رہ گئی تھی۔ میں اسے ہتھیلی پر اُچھالتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ ایک بھونرے نے میرا راستہ روک لیا: ''خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو، مجھے ایک اشرفی کی سخت ضرورت ہے۔''

میں نے سوچا کہ اگر ایک اشرفی بھی اسے دے دوں گا تو خود کیا کروں گا۔ پھر خیال آیا کہ ایسی بھی کیا بات ہے جب مجھے بھوک لگے گی تو کوئی نہ کوئی اللہ کا بندہ روٹی کھلا ہی دے گا۔ یہ سوچ کر میں نے آخری اشرفی بھی بھنورے کو دے دی۔

اب میں خالی ہاتھ تھا۔ آگے بڑھا تو سامنے ایک عالی شان محل نظر آیا۔ اس محل میں ایک بادشاہ رہتا تھا۔ جس کی ایک ہی لڑکی تھی۔ وہ نہ کسی سے کھیلتی تھی نہ منھ سے کچھ بولتی تھی۔ بس چپ چاپ رہتی تھی۔ بادشاہ کو اس کی بہت فکر تھی۔ اس نے اعلان کرایا کہ جو شخص شہزادی کو ہنسا دے گا میں اس کے ساتھ شہزادی کی شادی کر دوں گا۔''

میں نے سنا تو مجھے اپنے تینوں دوست چوہا، کیکڑا اور بھونرا یاد آ گئے۔ ان تینوں نے میری مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ میں واپس جنگل میں گیا اور تینوں کو ساتھ لے کر محل کی طرف چل پڑا۔ محل کے دروازے پر پہنچ کر میں نے بھونرے کو گانا گانے اور کیکڑے اور چوہے کو ناچنے کے لیے کہا۔ جب شہزادی نے یہ تماشا دیکھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

کچھ دن بعد بادشاہ نے شہزادی کے ساتھ میری شادی کر دی اور میں بادشاہ کا ولی عہد بن گیا۔

عمر خیام

بیگر بہار، مکران، بلوچستان

عمر خیام ۱۰۳۹ء میں ایران کے شہر نیشا پور میں پیدا ہوئے۔ عمر خیام فلسفی اور شاعر تھے۔ ان کے والد ابراہیم خیمے بنایا کرتے تھے۔ خیام کے معنی خیمہ بنانے اور سینے والا ہے اس لیے یہ لفظ عمر کے نام کا حصہ بن کر مشہور ہوگیا۔ عمر خیام ماہر ریاضی داں تھے۔ عمر خیام کا انتقال ۹۲ برس کی عمر میں ۱۱۳۱ء میں ہوا۔ عمر خیام نے شاعر کے حیثیت سے لازوال شہرت حاصل کی۔ ریاضی کے ساتھ شاعری بھی ان کی شہرت کی وجہ بنی۔ عمر خیام کا قابل قدر کارنامہ الجبرے میں ''مسئلہ دو رقمی'' کا اصول ہے جو سب سے پہلے عمر خیام نے دریافت کیا۔ ''الجبرا و المقابلہ'' علمِ ریاضی پر عمر خیام کی مشہور کتاب ہے۔

☆☆☆

آدھی ملاقات

یہ خطوط ہمدرد نونہال شمارہ ستمبر ۲۰۱۴ء
کے بارے میں ہیں

❁ ستمبر کا شمارہ اچھا لگا، لیکن سرورق کی تصویر خاص نہیں لگی۔ کہانیوں میں ہاتھی بیتی (جاوید اقبال)، وہ دھوکے باز نہیں (شازیہ نور)، خاموش احسان (جدون ادیب) اور انعام (وقار محسن) بہت ہی اچھی لگیں۔ اس کے علاوہ دل کی باتیں (مسعود احمد برکاتی) اور مزارِ قائد (نسرین شاہین) اچھی تحریریں ہیں۔ باقی سلسلے تو اے ون ہی ہوتے ہیں۔ بارہ لکیریں اور ایک نقطہ مزے کی تحریر ہے۔ ''دورِ خلافت کے چیف جسٹس'' تحریک پیدا کرنے والی تحریر ہے۔ **کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری، کراچی۔**

❁ ہمدرد نونہال ہر لحاظ سے اچھا ہوتا ہے۔ کہانیوں میں بلاعنوان کہانی، گندا بچہ، وہ دھوکے باز نہیں، سچ کی جیت، خاموش احسان، انعام اور نونہال ادیب تو سپرہٹ تھا۔ ہنسی گھر نے تو ہنسنے پر واقعی مجبور کر دیا۔ **محمد عمر، اورنگی ٹاؤن، کراچی۔**

❁ یقین ہے کہ ہمدرد نونہال کی ٹیم ہمارے لیے انتہائی جوش و جذبے سے نیا شمارہ مرتب کرنے میں مصروف ہوگی۔ ستمبر کا شمارہ نہایت ہی زبردست رہا، مگر واحد بھائی غیر حاضر رہے؟ **فرحین علی خان، صوابی۔**

❁ ستمبر کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ ہنسی گھر، تمام کہانیاں عمدہ تھیں، پہلی بات، روشن خیالات میں بہت کام کی باتیں تھیں۔ انکل! کیا میں آپ سے مل سکتی ہوں؟ **انوشہ بانو سلیم الدین، حیدر آباد۔**

بیٹی! کیوں نہیں، فون کر کے تین بجے سے پانچ بجے کے درمیان میں مل سکتی ہو۔ پہلے فون کر لیں تو اچھا ہے۔

❁ ستمبر کا شمارہ دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ سب سے زیادہ نمبر لینے والی کہانی خاموش احسان ہے۔ انعام، گندا بچہ، وہ دھوکے باز نہیں اور بلاعنوان کہانی بھی پسند آئیں۔ نظمیں بھی لاجواب تھیں۔ پہلی بات، جاگو جگاؤ اور روشن خیالات نے ہمارے خیال روشن کر دیے۔ گویا پورا رسالہ لاجواب تھا۔ **عالیہ ذوالفقار، کراچی۔**

❁ میں پہلی دفعہ ''ہمدرد نونہال'' میں شرکت کر رہی ہوں۔ ہمدرد نونہال بہترین رسالہ ہے۔ وہ دھوکے باز نہیں، رسالے کی سب سے زبردست کہانی تھی۔ خاموش احسان، قاسم کا اپنے دادا پر خاص احسان تھا۔ اس کا حق دادا جی نے راز داری سے ادا بھی کر دیا۔ نیکی کے وارث پڑھ کر آنکھیں بھیگ گئیں۔ یہ کہانی

نیکی کی تحریک دے رہی تھی۔ کہانی انعام پڑھ کر دوسروں کی مدد کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ **مریم شیخ، نواب شاہ۔**

❁ ستمبر کا شمارہ بہت دل چسپ تھا، وہ دھوکے باز نہیں، سچ کی جیت، گندا بچہ اور لندن میں بھکاری بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ **عائشہ سید اسرار، پشاور۔**

❁ ہمدرد نونہال کی ہر تحریر اچھی ہوتی ہے۔ خاص طور پر "شہید حکیم محمد سعید" کی بتائی ہوئی باتیں مفید ہوتی ہیں۔ **اسریٰ خان، کراچی۔**

❁ ستمبر کے شمارے میں م۔ ندیم علیگ کی "نیکی کے وارث" بہترین کہانی تھی۔ پڑھ کر فتح علی انوری اور حسن ذکی کاظمی یاد آگئے۔ ان کی کہانیاں نہ صرف پلاٹ، بلکہ اپنی زبان و بیان کی وجہ سے بھی یاد رہ جانے والی تھیں۔ **ریان سہیل، اسلام آباد۔**

❁ ہمیشہ کی طرح ستمبر کا شمارہ بھی لاجواب رہا۔ نصیحت آموز جاگو جگاؤ، پہلی بات، اس مہینے کا خیال بہترین تھا۔ روشن خیالات بہت پسند آئے۔ دعا سمیت تمام نظمیں ایک سے بڑھ کر ایک رہیں۔ آپ کا معلوماتی مضمون دل کی باتیں بہت ہی مفید اور دل چسپ ہے۔ کہانیاں تو سب ہی اچھی تھیں، مگر کہانی نیکی کے وارث اور بلاعنوان کہانی ہمیں سب سے زیادہ پسند آئیں۔ معلوماتی مضمون مزارِ قائد ایک بہترین مضمون تھا۔ باقی سب سلسلے بھی بہت خوب تھے۔ خوب صورت اشعار اور دل چسپ لطیفے بھی تھے۔ نونہال مصور میں سب ہی بچوں نے اچھی تصاویر بنائیں۔ بہرحال ستمبر کا شمارہ بہترین تھا۔ آپ کا یہ نونہال اتنا مکمل ہوتا ہے کہ ڈھونڈنے سے بھی تنقید کا موقع نہیں ملتا۔ **بہادر علی حیدر بلوچ، نوشہرو فیروز۔**

❁ ستمبر کے شمارے کی کہانیاں پڑھ کر دل خوش ہوا۔ سرورق بہت پیارا تھا۔ کہانیوں میں بلاعنوان کہانی، ہاتھی بیتی، وہ دھوکے باز نہیں اور معلوماتی تحریروں میں دل کی باتیں لاجواب تھیں۔ **نادیہ اقبال، کراچی۔**

❁ ستمبر کا شمارہ ہر لحاظ سے خاص تھا۔ کہانیوں میں وہ دھوکے باز نہیں اور سچ کی جیت اچھی لگی۔ باقی تمام تحریریں خاص کر مزارِ قائد اور دل کی باتیں بہترین تحریریں تھیں۔ پہلی بات اور جاگو جگاؤ پڑھ کر بہت کچھ پتا چلا۔ ہنسی گھر پڑھ کر چہرے پر مسکراہٹ اُبھر آئی۔ ستمبر کے شمارے کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ ہمدرد نونہال کی پوری ٹیم کو ہر شمارہ خاص بنانے پر مبارک باد قبول ہو۔ **رمیز خان، ماہم فاطمہ، رحیم یار خان۔**

❁ ستمبر کا شمارہ ہر شمارے کی طرح خاص تھا۔ وہ

دھوکے باز نہیں، نیکی کے وارث، ہاتھی بیتی اچھی کہانیاں تھیں، لیکن خاموش احسان سب پر بازی لے گیا۔ بارہ لکیریں ایک نقطہ جیسے گیم شائع ہونے چاہییں۔ دل کی باتیں پڑھ کر علم میں اضافہ ہوا۔ ''چچا کبابی دلی والے'' ایک مسکراتی تحریر تھی۔ نظموں میں ''نصیحت'' بہترین نظم تھی۔ **فیضان احمد خان، میر پور خاص۔**

✿ ہمدرد نونہال میں شائع ہونے والی تحریریں غیر معیاری ہرگز نہیں ہوسکتیں، کیوں کہ یہ آپ جیسے انتہائی کہنہ مشق ماہرین کی نظروں سے گزر کر آتی ہیں۔ میرے ہیروز میں آپ کا بہت ہی اعلا مقام ہے۔ انکل! آپ یہ بتائیں کہ آپ نے ''ہمدرد'' میں شمولیت اختیار کی یا یوں کہا جائے کہ ''ہمدرد'' کب سے آپ کے دکھ درد میں شریک ہوا؟ **محمد قمر الزمان، خوشاب۔**

میں ۱۹۵۲ء میں ہمدرد میں شامل ہوا۔ جب ہی سے ''ہم درد'' ہوں۔

✿ ستمبر کا ہمدرد نونہال لاجواب تھا۔ بے حد پسند آیا۔ **حفیظ احمد، راولپنڈی۔**

✿ ستمبر کا شمارہ بہت ہی لاجواب تھا۔ ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ مسکراتی لکیریں بہت اچھی لگیں۔ روشن خیالات پڑھ کر دماغ روشن ہوگیا۔ **نام پتا نا معلوم۔**

✿ ستمبر کا شمارہ بہت مزے دار تھا۔ بلاعنوان کہانی کا تو جواب ہی نہیں۔ **محمد شافع، کراچی۔**

✿ ستمبر کا شمارہ ہر شمارے کی طرح لاجواب تھا۔ تمام کہانیاں بہت زبردست تھیں۔ معلوماتی سلسلوں نے تو دل موہ لیا۔ سرورق سپرہٹ تھا۔ کہانیوں میں سچ کی جیت بہترین کہانی تھی۔ **سیدہ اریبہ بتول، لیاری ٹاؤن، کراچی۔**

✿ ستمبر کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ کہانیوں میں خاموش احسان، نیکی کے وارث اور وہ دھوکے باز نہیں بہت زیادہ پسند آئیں۔ بلاعنوان کہانی تو شمارے کی زینت ہی بن گئی تھی۔ چچا کبابی دلی والے بہترین کاوش تھی۔ ماشاء اللہ ہر شمارے پر خوب محنت کی جاتی ہے۔ اللہ پاک اس ٹیم کی محنت کو قبول فرمائے۔ **حفصہ خالد، کراچی۔**

✿ ماشاء اللہ ہمدرد نونہال روز بہ روز ترقی کر رہا ہے۔ بچوں سے لے کر بزرگ تک بہت شوق سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں، ابتدا سے ہی جاگو جگاؤ دل پہ دستک دیتا ہے اور پھر پہلی بات اور مہینے کا خیال بہت عمدہ ہوتا ہے۔ اس کی کام یابی کے پیچھے پوری ایک ٹیم

کا ہاتھ ہے۔ اس ٹیم کے بہترین باصلاحیت نگرانوں اور قلمکاروں کی وجہ سے ہی الحمدللہ یہ ملک میں معروف ہے۔ **فاطمہ خالد، کراچی۔**

❁ ستمبر کا شمارہ دل چسپ تھا۔ ساری کہانیاں پُر لطف تھیں۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات سے ہمیں بہت اچھا سبق ملا۔ **عبدالاحد صفوان، کراچی۔**

❁ ستمبر کا شمارہ بہت دل چسپ ہے۔ ہم اس کی جتنی تعریف کریں ہمارے لیے کم ہے۔ ساری کہانیاں بہت مزے دار ہیں۔ چچا کبابی دلی والے (حضرت ملا واحدی)، دل کی باتیں (مسعود احمد برکاتی)، وہ دھوکے باز نہیں (شازیہ نور) خاموش احسان (جدون ادیب)، ہاتھی بیتی بہت اچھی تھیں۔ **شیزہ صفوان، کراچی۔**

❁ ستمبر کا شمارہ ہر لحاظ سے اچھا تھا۔ جاگو جگاؤ سے لے کر آدھی ملاقات اور لغت تک ہر تحریر عمدہ اور اچھی تھی۔ بلاعنوان کہانی کا عنوان مشکل لگ رہا تھا، لیکن پڑھ کر مزہ آیا۔ **محمد اذعان خان، کراچی۔**

❁ ستمبر کا ہمدرد نونہال خوب صورت کاوش کا مجموعہ تھا۔ تمام تحریریں بالخصوص حضرت ملا واحدی مرحوم کی تحریر ''چچا کبابی دلی والے'' اس کے علاوہ خاموش احسان اور گندہ بچہ بھی بہترین تھی۔ مسعود احمد برکاتی کی کاوش ''دل کی باتیں''، معلومات کا خزانہ تھی۔ **عبیرہ صابر، کراچی۔**

❁ ستمبر کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ کہانیوں میں انعام، آخری قرض اور نیکی کے وارث نے ہمدرد نونہال میں چار چاند لگا دیے۔ **ابوزر صفوان، کراچی۔**

❁ پہلی بات نے دل پر اثر کیا۔ لندن میں بھکاری اچھی تحریر تھی اور اس ماہ کی خاص کہانی تھی۔ چچا کبابی دلی والے زبردست تحریر تھی واقعی بار بار پڑھنے کو دل چاہا۔ دل کی باتیں خوب صورت تحریر تھی۔ کہانیوں میں انعام، بلاعنوان کہانی، نیکی کے وارث، وہ دھوکے باز نہیں، سچ کی جیت، آخری قرض، خاموش احسان، خوب صورت پُر اثر کہانیاں تھیں۔ بارہ لکیریں اور ایک نقطہ دیکھ کر مزہ آیا۔ آیئے مصوری سیکھیں اس دفعہ اچھا لگا۔ مزار قائد خوب صورت مضمون تھا۔ ہاتھی بیتی پڑھ کر دل اُداس ہوگیا۔ ''دورِ خلافت کے چیف جسٹس'' دل پر اثر کرنے والی تحریر تھی۔ **آمنہ، عائشہ، سعیہ، ہانیہ، کراچی۔**

❁ ستمبر کا شمارہ مجموعی طور پر بہت اچھا تھا۔ خاص طور پر بلاعنوان کہانی (محمد اقبال شمس) سپر ہٹ تھی۔ اس کے علاوہ ساری کہانیاں بہت دل چسپ تھیں، مگر آخری قرض کا تو مزہ ہی کچھ اور تھا اور سب سے

زبردست تو ہنڈ کلیا (اقصیٰ فاروق) تھی۔ افرح صدیقی، کورنگی، کراچی۔

❁ ستمبر کا شمارہ لاجواب تھا۔ تمام کہانیاں سپر ہٹ تھیں۔ نیکی کے وارث اور انعام پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ لطیفے بھی بہت مزے کے تھے۔ انکل! تصویر خانہ میں تصویر بھیجنے کا کیا طریقہ ہے؟ **عابد رحمان، لاہور۔**

تصویر خانہ میں پاسپورٹ سائز کی تصویر (صرف نونہالوں کی) لگائی جاتی ہے۔

❁ ستمبر کے شمارے میں کہانیاں ساری اچھی تھیں۔ مگر خاموش احسان (جدون ادیب) بہت پسند آئی۔ پہلی بات، ہنسی گھر کے علاوہ بارہ لکیریں اور ایک نقطہ بھی بے حد پسند آیا۔ **عمار صدیقی، کورنگی، کراچی۔**

❁ ستمبر کا شمارہ بہت اچھا رہا۔ سب سے اچھی تحریر جاگو جگاؤ تھی۔ شہید حکیم محمد سعید نے اس رسالے کو جاری کرکے ہم پاکستانی بچوں پر احسان کیا ہے۔ خدا اس رسالے کو ہمیشہ کام یابی و کامرانی نصیب فرمائے۔ **سعد احمد صدیقی، کورنگی، کراچی۔**

❁ ہمدرد نونہال ستمبر کے شمارے کی تمام کہانیاں نہایت دل چسپ ہیں۔ لطائف کا جواب ہی نہیں ہے۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے کہانی کار، م۔ ندیم علیگ کی کہانی نیکی کے وارث عوام کے لیے قابلِ تقلید ہے۔ **واجد نگینوی، کراچی۔**

❁ ستمبر کے ہمدرد نونہال میں دو کہانیاں گندا بچہ اور وہ دھوکے باز نہیں، پرانی تھیں۔ کہانی انعام پہلے نمبر پر، نیکی کے وارث دوسرے نمبر پر اور بلاعنوان تیسرے نمبر پر تھی۔ **یسریٰ حبیب، کراچی۔**

❁ ستمبر کا شمارہ لاجواب ہے، مگر اس شمارے میں یومِ دفاع کے حوالے سے تحریروں کی بہت کمی ہے۔ باقی تمام کہانیاں اچھی ہیں۔ بلاعنوان کہانی بہت عام سی کہانی تھی، جس میں کوئی خاص مقصد یا سبق بھی نظر نہیں آیا۔ خاموش احسان اور وہ دھوکے باز نہیں پُر اثر کہانیاں تھیں۔ میں خود حیاتیات کی ٹیچر ہوں۔ بہت سے طلبہ کو یہ موضوع بہت مشکل لگتا ہے۔ میں نے آپ کی تحریر سب کو پڑھنے کے لیے دی۔ حیرت انگیز طور پر بچوں نے بہت دل چسپی سے پڑھا اور سیکھا۔ اس بات سے مجھے بہت خوشی ہوئی کہ ہمدرد نونہال آج بھی ہمارا استاد ہے اور بہت کچھ سکھاتا ہے۔ **فائزہ اظہر، حب بلوچستان۔**

❁ ستمبر کا شمارہ زبردست تھا۔ تمام کہانیاں ٹاپ پر تھیں۔ خاص طور پر دل کی باتیں (مسعود احمد برکاتی) پڑھ کر علم میں بہت اضافہ ہوا۔ آئندہ بھی اسی طرح کی معلوماتی تحریریں شائع کیجیے گا۔ **نعیم اللہ، خوشاب۔** ☆

جوابات معلومات افزا - ۲۲۵

سوالات ستمبر ۲۰۱۴ء میں شایع ہوئے تھے

ستمبر ۲۰۱۴ء میں معلومات افزا - ۲۲۵ کے جو سوالات دیے گئے تھے، ان کے جوابات ذیل میں لکھے جا رہے ہیں۔ ۱۶ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس لیے قرعہ اندازی کے ذریعے سے ۱۵ نونہالوں کے نام نکالے گئے۔ ان نونہالوں کو انعامی کتاب بھیجی جائے گی۔ باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے ۶۳۴ عیسوی میں وفات پائی تھی۔

۲۔ میدانِ عرفات میں واقع مسجد نمرہ میں ۹ ذی الحج کو خطبہ حج پڑھا جاتا ہے۔

۳۔ خاندانِ بنو اُمیہ نے کل ۸۹ سال حکمرانی کی۔

۴۔ فاتح ملک شام حضرت خالد بن ولید کو کہا جاتا ہے۔

۵۔ سر سید احمد خاں کا انتقال ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو ہوا تھا۔

۶۔ افریقی ملک کانگو کی کرنسی فرانک کہلاتی ہے۔

۷۔ وارسا، ملک پولینڈ کا دارالحکومت ہے۔

۸۔ خفیہ ایجنسی کے جی بی کا تعلق روس سے ہے۔

۹۔ اپنے پہلے ٹیسٹ میچ میں سنچری بنانے والے پاکستان کے سب سے کم عمر کھلاڑی جاوید میاں داد ہیں۔

۱۰۔ اقوامِ متحدہ کے موجودہ سیکریٹری جنرل بان کی مون ہیں۔

۱۱۔ سعودی عرب کا پرانا نام ''نجد و حجاز'' ہے۔

۱۲۔ برازیل میں ہونے والا بیسواں فٹ بال ورلڈ کپ ۲۰۱۴ء جرمنی نے جیت لیا۔

۱۳۔ ''شوکت علی خاں'' معروف شاعر فانی بدایونی کا اصل نام ہے۔

۱۴۔ ۱۷۱۳ء میں وفات پانے والے اردو کے مزاحیہ شاعر کا نام جعفر زٹلی ہے۔

۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ: سانپ کا کاٹا رسی سے ڈرتا ہے۔

۱۶۔ اردو کے مشہور شاعر سلیم احمد کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے کیجیے:

شاید کوئی بندۂ خدا آئے
صحرا میں اذان دے رہا ہوں

قرعہ اندازی میں انعام پانے والے بیس خوش قسمت نونہال

☆ کراچی: حسن عبدالرحمٰن، تابندہ آفتاب، ربیعہ حسن

☆ لاہور: مطیع الرحمٰن، محمد شادمان صابر ☆ پشاور: عائشہ محمد

☆ میرپور خاص: کنول محمد کریم، وقار احمد

☆ حیدرآباد: عائشہ ایمن عبداللہ، نسرین فاطمہ ☆ راولپنڈی: محمد بن قاسم

☆ اسلام آباد: آمنہ خالد ☆ بہاول پور: مبشرہ حسین ☆ ملتان: درِ صبیح ضحیٰ

☆ فیصل آباد: محمد سلمان فاروق۔

۱۶ درست جوابات دینے والے انعام یافتہ نونہال

☆ کراچی: حفصہ اسحاق، آمنہ شفیق، محمد فوزان، سید زین العابدین، علینہ اختر، اریبہ امجد رندھاوا، ناعمہ تحریم ☆ لاہور: صفی الرحمٰن، محمد سعد، امتیاز علی ناز ☆ میرپور خاص: ثنا ندیم، دعا محمد کریم، کائنات محمد اسلم، فیروز احمد، طوبیٰ محمد اکرم ☆ حیدرآباد: مرزا ہادی بیگ، جویریہ اشتیاق ☆ راولپنڈی: بریرہ متین ☆ اسلام آباد: سید ابوسلیمان کاکاخیل، ماریہ شوکت ☆ بے نظیر آباد: نصرت ممتاز خانزادہ ☆ پنڈدادن خان: سیدہ مبین فاطمہ عابدی ☆ اٹک کینٹ: عبیرہ عدیل، اسماء عثمان ☆ سانگھڑ: محمد ثاقب منصوری ☆ خوشاب: محمد قمر الزماں ☆ سکرنڈ: صادقین ندیم خانزادہ ☆ پنانا معلوم: سید محمد عمار۔

☆ کراچی: یوسف کریم، سید محمد طلحہٰ، لائبہ فاطمہ، سید اعظم مسعود، محمد آصف انصاری، علیزہ سہیل، لقمان، امامہ حسن، آمنہ

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

قیصر ☆ ملتان: چودھری محمد ارسلان اسلم، احمد سید کشمیری ☆ راولپنڈی: شفق فاطمہ، معز الحسن، محمد ارسلان ساجد ☆ حیدرآباد: مرزا اسفار بیگ ☆ میرپور خاص: محمد طلحہٰ مغل ☆ مظفر آباد (آزاد کشمیر): سید یاور امام کاظمی ☆ رحیم یار خان: ماہم فاطمہ ☆ ننکانہ: رائے محمد حسن ☆ شیخوپورہ: محمد احسان الحسن ☆ پشاور: محمد حیان، عبدالمعز اسلم خان ☆ گوجرانوالہ: حافظ محمد منیب ☆ ٹیکسلا: مقبول احمد ☆ بے نظیر آباد: منور سعید خانزادہ۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

سیدہ صباحت بنی، صالحہ ایمان، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، سید باذل علی

☆ کراچی: مجاہد الرحمٰن، محمد بلال صدیقی، محمد از عان خان، محمد ابراہیم بن ثاقب، محمد ثاقب اظہر، سید شہطل علی اظہر، سیدہ جویریہ جاوید، سید عفان علی جاوید، دانیا جنید ☆ لاہور: فریحہ قریشی مصطفیٰ، فاطمہ خالد، زینب منیر احمد، شاہ محمد ازہر عالم ☆ جامشورو: حافظ سمیہ، حافظ مصعب سعید ☆ کالا ☆ پشاور: حانیہ شہزاد ☆ ٹنڈو محمد خان: اورنگ زیب ☆ ڈیرہ غازی خان: راشا احمد ☆ رحیم یار خان: مریم شاہین ☆ کالا گجراں: محمد افضل ☆ بھکر: محمد مجیر خان ☆ میر پور خاص: حفصہ نادر خان ☆ لاڑکانہ: سمیرا احمد پٹھان، اظہر علی پٹھان ☆ ٹنڈو الٰہیار: محمد آصف یٰسین کھتری ☆ کرک: فاضر زمان۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ کراچی: اسماء زیب عباسی، یسریٰ حبیب، شمسہ کنول عثمانی، حیدر علی، رضی اللہ خاں، عبدالاحد صفوان ☆ ٹنڈو جام: پیر حیدر علی شاہ ☆ لاہور: عبدالجبار رومی انصاری ☆ کوٹلی: شہریار احمد چغتائی ☆ پشاور: عائشہ سید اسرار ☆ پنجند: فاطمہ امین انصاری ☆ صوابی: فرحین علی خان ☆ دریا خان: عبداللہ شاہ ☆ سکھر: فلزہ مہر ☆ بہاول نگر: طوبیٰ جاوید انصاری ☆ حب: بختاور اظہر ☆ منڈی بہاؤالدین: تہنیت آفرین ملک ☆ راولپنڈی: محمد حذیفہ اسلم ☆ میر پور خاص: دیا کھتری اوم پرکاش ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: سعدیہ کوثر مغل ☆ صادق آباد: مقدس لطیف۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُر امید نونہال

☆ کراچی: مہوش حسن، احسن محمد اشرف، محمد معین الدین غوری، عبدالرحمٰن، کومل فاطمہ اللہ بخش، حنا ظفر ☆ میر پور خاص: خنساء محمد اکرم آرائیں، فیضان احمد خان ☆ سیالکوٹ: صبیح الحسن ☆ کشمور: سیف اللہ کھوسو ☆ سکھر: عائشہ محمد خالد قریشی ☆ نواب شاہ: مریم شیخ ☆ رحیم یار خان: سمیعہ کومل ☆ ڈیرہ اللہ یار: برکت علی کھوسہ۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُر اعتماد نونہال

☆ کراچی: حسن رضا قادری، محمد فہد الرحمٰن، اقصیٰ ایوب، مریم سہیل، فضل قیوم خان، سیدہ اریبہ بتول ☆ جلال پور جٹاں: سیدہ سدرہ الیاس ☆ ملتان: حسان علیم ☆ سامارو: عبدالرحمٰن قائم خانی ☆ ڈیرہ اللہ یار: آصف علی کھوسہ۔

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال ستمبر ۲۰۱۴ء میں جناب محمد اقبال شمس کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کرنے کے بعد تین بہترین عنوانات کا انتخاب کیا ہے، جو مختلف جگہوں سے ہمیں تین نونہالوں نے ارسال کیے ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ زندہ مرحوم : افرح صدیقی، کورنگی، کراچی

۲۔ زندہ درگور : عائشہ ایمن عبداللہ، لطیف آباد، حیدر آباد

۳۔ انوکھی سازش : حافظ محمد منیب، وزیر آباد، گوجرانوالہ

﴿ چند اور اچھے اچھے عنوانات ﴾

ذہین لڑکا۔ جھوٹی موت۔ رشتوں کے رنگ۔

انسانیت کے قاتل۔ خون کی کشش۔ اپنے ہوئے پرائے۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: رضوان ملک، محمد فہد الرحمٰن، مناہل منصور احمد عباسی، عالیہ ذوالفقار، معاذ اسحاق، شمسہ کنول عثمانی، حنا ظفر، سمیرا نادر، ایمن شکیل، فرزام انیس، محمد شافع، عبدالرحمٰن، وردہ مصطفیٰ، عبیرہ صابر، مریم سہیل، عروہ جبین، کومل فاطمہ اللہ بخش، سیدہ اریبہ بتول، نادیہ اقبال، شاہ بشریٰ عالم، محمد شیراز انصاری، رضی اللہ خان، ناعمہ تحریم، سیدہ مدیحہ پرویز، سمیعہ

توقیر، وجیہ قیصر، شازیہ انصاری، اسریٰ خان، جویریہ شاہد، فضل قیوم خان، یسریٰ حبیب، احمد حسین صمد بادل، محمد متہال حیدر، سید محمد فیضان، سید محمد حذیفہ، رخشی آفتاب، سہیل احمد بابوزئی، ہانیہ شفیق، سید عفان علی جاوید، سیدہ جویریہ جاوید، مصامص شمشاد غوری، مریم حسن، ابراہیم عبدالرحمٰن، سید اعظم مسعود، عروج فاطمہ، محمد امان آصف، امامہ حسن، سندس آسیہ، افرح صدیقی، حفصہ نگینوی، سکینہ خالد، محمد اریب جنید، وانیا جنید، جلال الدین اسد، مہوش حسین، حفصہ خالد، سید باذل علی اظہر، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، اریبہ امجد رندھاوا، صباحت بلخی، محمد معین الدین غوری، احمد رضا، احسن محمد اشرف، فضل ودود خان، صفی اللہ وامین اللہ، طاہر مسعود، محمد عزیر، سید شہظل علی اظہر، اسماء زیب انصاری، علینہ اختر، حسن رضا قادری، محمد شایان اسمر خان ☆ **لاہور:** حافظ محمد اذان احمد، محمد افضل انصاری، امتیاز علی ناز، عطیہ جلیل، ماہین صباحت، فریحہ قریشی، شانزہ شعیب ☆ **حیدرآباد:** پیر عبداللہ شاہ، آفاق اللہ خان، مرزا اسفار بیگ، مرزا ہادی بیگ، انوشہ بانو سلیم الدین، عائشہ ایمن عبداللہ ☆ **ملتان:** احمد سعید کشمیری، تحریم فاطمہ، چودھری محمد ارسلان ☆ **میرپورخاص:** بلال احمد، فیضان احمد خان، محمد طلحہ مغل، خنساء محمد اکرم آرائیں، توقیر، فریحہ فاطمہ، نورالہدیٰ اشفاق، حفصہ نادر خان، کائنات محمد اسلم، فیروز احمد، کنول محمد کریم، ثنا ندیم، دعا محمد کریم، طوبیٰ محمد اکرم، دیپا کھتری اوم پرکاش ☆ **اسلام آباد:** ریان سہیل، نیائش نور، آمنہ خالد، فائزہ بتول بھٹی، ماریہ شوکت ☆ **جامشورو:** حافظ مصعب سعید، حافظ عمر سعید ☆ **پشاور:** عائشہ سید اسرار، محمد حمدان، حانیہ شہزاد، حفصہ محمد ☆ **ڈیرہ اللہ یار:** برکت علی کھوسہ، آصف علی

کھوسہ ☆ رحیم یار خان: نمرہ شاہین، ماہم فاطمہ، سمیہ کومل ☆ آزاد کشمیر: شہر یار احمد چغتائی، سید یاور امام کاظمی ☆ بہاول نگر: لائبہ حورین، احمد جلال، عروشہ جاوید، طوبیٰ جاوید انصاری ☆ گوجرانوالہ: حافظ محمد منیب، ساجد علی بخاری ☆ بھکر: اعظم طارق، محمد مجیر خان، رانا بلال احمد، حائقہ خالد ☆ لاڑکانہ: اظہر علی پٹھان، نمیر احمد پٹھان ☆ سکھر: نمرہ مہر، فائزہ مہر، عائشہ محمد خالد قریشی، بشریٰ محمد محمود ☆ بے نظیر آباد: نصرت ممتاز خانزادہ، عبدالرافع شیخ، محمد اویس دانش خانزادہ راجپوت ☆ اٹک: زینب عدیل، ہشام حیدر، اسماء عثمان ☆ بہاول پور: مبشرہ حسین، محمد شکیب مسرت ☆ راولپنڈی: رومیسہ زینب چوہان، شفق فاطمہ، معز الحسن، محمد بن قاسم، بریرہ متین ☆ گوجر خان: رخسانہ شاہین ☆ اوتھل: شفق محمد علی ☆ حب: فائزہ اظہر ☆ نواب شاہ: مریم شیخ ☆ دریا خان: عبداللہ شاہ ☆ نوشہرو فیروز: بہادر علی حیدر ☆ بیلا: محمد الیاس چنا ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: سعدیہ کوثر مغل ☆ سانگھڑ: علیزہ ناز منصوری ☆ ٹنڈو الہیار: محمد آصف یسٹین کھتری ☆ پچند: عائشہ امین انصاری ☆ منڈی بہاؤ الدین: تہنیت آفرین منشا ☆ سیالکوٹ: صبیح الحسن ☆ ڈیرہ غازی خان: راشا احمد ☆ کھاریاں: شمسہ نورین ☆ ٹیکسلا کینٹ: مقبول احمد ☆ ننکانہ: زینب بتول ☆ کالا گجراں: سیماں کوثر ☆ لیہ: عبدالحسیب انصاری ☆ صادق آباد: مقدس لطیف ☆ جھنگ: وردہ زہرہ ☆ خوشاب: محمد قمر الزماں ☆ ٹنڈو محمد خان: کنول فاطمہ ☆ شکار پور: صبا شیخ ☆ شیخو پورہ: حسنین شاہد ☆ صوابی: فرحین علی خان ☆ میانوالی: آصف سعید ☆ اوکاڑہ: ذوہیب رزاق۔

☆☆☆

نونہال لغت

جرس	جَ رَ س	گھنٹا۔ وہ گھنٹا جو قافلے کی روانگی کے وقت بجاتے ہیں۔
دسترس	دَ سْ ٹ رَ س	پہنچ۔ رسائی۔ قابو۔ طاقت۔ قابلیت۔
بدظن	بَ دْ ظَ ن	بدگمان۔ شکی۔
چوب دار	چُو بْ دَ ا ر	لکڑی لے کر آگے چلنے والا نوکر۔
تھان	تھَا ن	جگہ۔ مقام۔ گھوڑے، ہاتھی یا دوسرے جانوروں کے باندھنے کی جگہ۔ کئی گز لمبا کپڑا۔
پیچواں	پے چْ وَ ا ں	ایک قسم کا حقہ جس کی نے لچک دار اور لمبی ہوتی ہے۔
مستک	مَ سْ تَ ک	ہاتھی کا ماتھا۔ پیشانی۔
ساکھ	سَا کھْ	اعتبار۔ بھرم۔ عزت و آبرو۔ نیک نامی۔
حرمت	حُ رْ مَ ت	عزت۔ آبرو۔ عظمت۔
استقامت	اِ سْ تِ قَا مَ ت	پائداری۔ مضبوطی۔ استقلال۔
مہاوت	مَ ہَا وَ ت	فیل بان۔ ہاتھی چلانے والا۔
خرافات	خُ رَ ا فَا ت	بے ہودہ بات۔ گالی گلوچ۔ واہی تباہی۔
انحصار	اِ نْ حِ صَا ر	گھرنا۔ دارومدار۔ احاطہ۔
سرکش	سَ رْ کَ ش	نافرمان۔ باغی۔ مغرور۔ بے وفا۔
مانوس	مَ ا نُو س	ہلا ہوا۔ شیر وشکر۔ راغب۔ خوگر۔
خودنما	خُو دْ نُ مَا	اپنی نمائش کرنے والا۔ مغرور۔ متکبر۔ شیخی خورہ۔
رونما	رُو نُ مَا	چہرہ دکھانے والا۔ منہ دکھانے والا۔ ظاہر ہونے والا۔